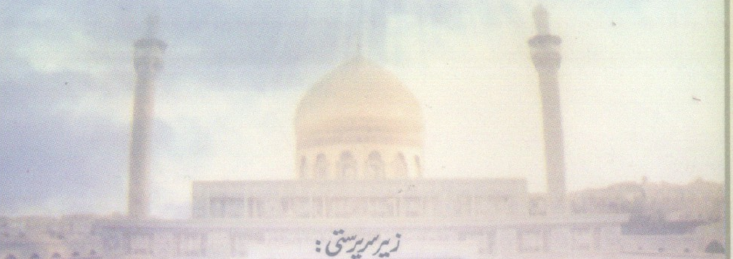
اہلِ بیت
کی خوشبو

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا



زیر سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم،

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف **افضل سرکار** رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ بیت
کی خُوشبُو

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا



زیرِ سرپرستی :

عاشقِ رسُول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم،

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف **افضل سرکار** رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب ــــــــــــــ اہلِ بیت کی خوشبو

ترتیب و پیشکش ــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر ــــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تاریخِ اشاعت	تعداد
ذیقعد ۱۴۲۸ھ نومبر ۲۰۰۷ء	۵۰۰۰

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پُکارا، تُو نے ہماری پُکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلۂ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تُو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنّان و منّان و دیّان ہے، ذوالجلال والاکرام ہے اور عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور کُنْ فَیَکُوْن کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے "اہلِ بیت کی خوشبو" کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم، فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ، حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف "افضل سرکار" رحمتہ اللہ علیہ کے زیرِ سرپرستی یہ کتاب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہِ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مُرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اور پنجتن پاکؑ کی محبّت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کرلے بلکہ اس میں ایسا ذوق وشوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالِم حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیّت سے کہ تُو اور تیرے حبیبِ پاک (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اُس سے راضی ہو جائیں۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

اظہارِ تشکّر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنھوں نے دامے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل وکرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلائے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مُفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر وفکر اور نماز سے غفلت، سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

گُزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی نظر آئے تو اُسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجیئے گا۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

پہلا باب

دُوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

(پہلا باب)

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا
کا
شجرۂ نسب

رضی اللہ عنہا
حضرت بی بی زینب کا شجرہ نسب

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے حالات شروع کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ پہلے ہم اُن کے شجرۂ نسب پر ایک نظر ڈالیں۔ اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ نجیب الطرفین ہیں، اُن کے بزرگوں کے، جن کا خوُن خصوصیت کے ساتھ ان کی رگوں میں دوڑتا رہا چند ایسے واقعاتِ زندگی پیش کئے جائیں جن کا سیرتِ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر گہرا اثر پڑا۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے نانا

درُود وسلام ہزاروں مرتبہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے نانا پر، خالق کے محبوب اور مخلوق کے محسن پر، اس انسانِ کامل پر جس میں انسانیت کی تمام خوبیاں جمع تھیں، اس ذاتِ واحد پر جس کی نظیر اس سے پہلے اور اس کے بعد دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انتہا درجہ کی سادہ اور تکلفات سے پاک وصاف تھی۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے اور ہر وقت خدمتِ خلق پر آمادہ رہتے۔ جو شخص آپ سے ملنے آتا اُس کے پاس بیٹھے رہتے اور اس کی باتوں سے نہ گھبراتے، جو شخص راستہ میں مل جاتا سلام کرنے میں خود پہل کرتے۔

زُہد، صبر، قناعت، رضا اور توکل کی یہ کیفیت تھی کہ جَو کی روٹی تناول فرماتے۔ نرم وگداز بستر پر کبھی آرام نہ فرمایا۔ غلہ اکثر میسّر نہ آتا اور متواتر کئی کئی وقت کا فاقہ ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کا بیان ہے کہ بارہا ایسا ہوا آپ صبح بھوکے اُٹھے اور دن کا بڑا حصہ خالی پیٹ گزر گیا۔ اکثر رات کو بھوکے سوئے اور دوسرے دن بھی فاقہ ہوا۔

امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ اہلِ مکہؔ بچپن ہی سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امین کہتے تھے۔ جب آپ نے اپنی گمراہ اور بُت پرست قوم کی اصلاح شروع کی اور فرمایا کہ

"سوائے خدائے واحد کے کوئی عبادت کے قابل نہیں"

تو سارا مکہؔ آپ کے خُون کا پیاسا ہو گیا۔ جو پیغامِ الٰہی آپ دُنیا میں لے کر آئے تھے اُسے خُدا کی مخلوق تک پہنچانے اور راہِ راست دکھانے میں آپ کو ایسی ایسی اذیّتیں اور تکلیفیں پہنچی ہیں کہ ان کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

تجری اور غدیر، توریت و زبور کے دو یمنی یہودی یہ معلوم کر کے کہ مکہؔ میں اس نبی کا ظہور ہوا ہے جس کی خبر اُن کی کتابیں پہنچا رہی ہیں، مکہ آئے اور ایک دوکان دار سے پوچھتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے کہاں رہتا ہے"

وہ ابھی پتہ دریافت ہی کر رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پر، جس کی پیشانی اور سر سے خون بہہ رہا ہے ایک ہجوم پتھر مارتا اور غلاظت پھینکتا چلا آرہا ہے۔ دکان دار کہتا ہے، "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے تم پوچھ رہے ہو یہی ہے"۔

یہ دونوں آگے بڑھتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ "واقعی یہ نبی ہے تو اس کی بددعا ان پر قہر نازل کر دے گی"۔

مگر وہ سکتہ میں رہ جاتے ہیں اور اُن کی عقل چکراتی ہے، جب قریب پہنچ کر اس انسان کے، جو خون میں نہا رہا ہے لب ہائے مبارک سے آہستہ آہستہ یہ الفاظ ادا ہوتے ہوئے سُنتے ہیں:۔

"الٰہی! میری قوم پر رحم فرما، اس
نے ابھی مجھے پہچانا نہیں"۔

اہلِ قریش نے ایک آدھ دفعہ نہیں بارہا کہا، "جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو، لو۔ دولت چاہتے ہو، سونے چاندی کے ڈھیر لاکر جمع کر دیں، عورت چاہیئے تو خوبصورت سے خوبصورت عورت موجود ہے۔ مگر ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے بُتوں کو بُرا نہ کہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کا جواب یہ

دیا کہ "سوائے خدا کے کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ پس میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک خدا کی عبادت کرو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کا مضحکہ اُڑاتی اور طعن و تشنیع کرتی۔ آپ کی کوششوں کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی، اور ہر ہر قدم پر روڑے اٹکاتی اور آپ کو انتہائی جسمانی تکلیف پہنچاتی مگر آپ کی استقامت میں ذرّہ برابر فرق نہ آتا۔

آپ نے کبھی کسی شخص کو بُرا کہا نہ مارا۔ آپ کو جسمانی و رُوحانی تکلیفیں جس جس سے پہنچیں، اس کے حق میں راہِ راست پر آنے کی دُعا کی اور کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔ فتح مکہ (رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء) کے بعد مشرکین سے آپ سخت سے سخت انتقام لے سکتے تھے، لیکن اُس ذاتِ اقدس کی زبان سے کسی کے متعلق سخت الفاظ تک نہ نکلے۔

ایک دفعہ ایک کافر مکہ سے مدینہ آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا۔ صحابہ کو اس کے ارادہ کا علم ہو گیا۔ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے، آپ نے معاف فرما دیا۔

عبداللہ بن ابی مدینہ کے منافقوں کا سردار ہمیشہ آپ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا، جب وہ مر گیا تو اس کے کفن کے

لئے اپنا کُرتہ مرحمت فرمایا۔

(فتح خیبر، ہجری مطابق ۲۹-۶۲۸ء) کے بعد ایک یہودی نے زہر ملا کر بکری کا گوشت کھلادیا، اس سے آپ نے انتقام نہ لیا۔

جنگِ احُد میں ۳ھ مطابق ۲۵-۶۲۴ء مشرکین مکّہ نے پتھروں سے زخمی کیا۔ صحابہ نے عرض کیا اُسکے لئے بدُعا کیجئے آپ نے فرمایا مجھے بددُعا کے لئے نہیں بھیجا گیا۔

آپ ہر شخص کی فریاد سُنتے اور اس کی امداد فرماتے۔ بچّوں کو گود میں لے کر کھیلتے اور اُن سے انتہائی شفقت کا برتاؤ کرتے

ایک دفعہ آپ نمازِ عید کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ دیکھا کہ ایک بِن ماں باپ کا بچّہ میلے کچیلے پھٹّے پُرانے کپڑے پہنے ایک کونے میں بیٹھا رو رہا ہے۔ آپ اُسے اپنے گھر لائے، نہلا دُھلا کر حضرت حسنین رضی اللہ عنہ کے کپڑے پہنا پُشت پر بٹھا، عید گاہ لے گئے۔

عورت، جس کی آپ کی تشریف آوری سے قبل کوئی حیثیت نہ تھی اُسے آپ نے جانور سے انسان اور لونڈی سے بیگم بنا دیا۔ فرمایا:۔

”عورت کی عزّت وہ کرتے ہیں جو شریف ہیں،
اور توہین وہ کرتے ہیں جو پاجی ہیں“۔

آپ دوسروں کی بکریوں کا دُودھ دوہتے اور بازار سے لوگوں کے سودے لا دیتے۔ اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھوتے اور خود پیوند لگاتے۔ اپنے جُوتے آپ گانٹھ لیتے۔ سفر میں کوئی غلام ساتھ ہوتا تو اُسے اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔

ایک لڑائی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو کر کھانا پکا رہے تھے۔ ہر شخص کے ذمہ ایک ایک کام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں فراہم کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ نے عرض کیا "حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تشریف رکھیں، ہم سب کام کر لیں گے۔" آپ نے اُن کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے اپنے آپ کو بڑا بنانا پسند نہ فرمایا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی نانی

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا قریش کے ایک خوشحال اور ممتاز خاندان سے تھیں۔ عرب کے مشہور مسیحی عالم ورقہ بن نوفل اُن کے چچازاد بھائی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اُن کے بھتیجے تھے۔ یکے بعد دیگرے تین شوہروں کے بعد اُن کا چوتھا نکاح چالیس سال کی عمر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ جب رسُولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔

سرورِ کائنات کو جب نبوّت عطا ہوئی تو سب سے پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تصدیق کی۔ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت دولت مند خاتون تھیں۔ مگر انہوں نے اپنی ساری دولت دین کی خدمت، اسلام کی ترقی اور اپنے شوہر کی خوشنودی پر قربان کردی۔ تعمیر کعبہ کے بعد حجاز میں سخت قحط پڑا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت نے اس وقت بہت سے غریبوں، ناداروں کی اعانت کی اور ہزاروں جانیں فاقے سے بچائیں۔

جب غارِ حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں غور وخوض اور ذکر وعبادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تو حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کھانے پینے کا خصوصیت کے ساتھ انتظام کرتیں، اور بعض اوقات خود پہنچادیا کرتی تھیں۔

مشرکینِ مکّہ جو اذیتیں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے اُن سے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو روحانی اذیّت ہوتی تھی۔ اگر وہ چاہتیں تو بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے لوگوں پر اثر ڈال کر مشرکینِ مکّہ سے انتقام لے سکتی تھیں۔ مگر انہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا کامل یقین تھا اور وہ جانتی تھیں کہ خدا کے برگزیدہ پیغمبروں کو راہِ حق میں تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خود بھی تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مکہ کے مسلمانوں کی مختصر جماعت پر قریش کے مظالم دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت حبشہ (۵ نبوی مطابق ۶۱۵ء) کی اجازت دے دی تھی مہاجرین میں اُمّ المؤمنین کی بیٹی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اپنی عزیز اور محبوب بیٹی کی جدائی کا اُمّ المومنین کو سخت صدمہ تھا مگر اسلام سے عشق کی یہ کیفیت تھی کہ اس جدائی کو ہنسی خوشی قبول کر لیا۔

نبوّت کا ساتواں سال ۶۱۷ء تھا کہ مشرکینِ قریش نے آپس میں طے کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے قبیلہ بنو ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اس فیصلہ کے بعد بنو ہاشم پر انہوں نے ایسی زیادتیاں کیں کہ تنگ آکر وہ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چلے گئے اور سامانِ خورد و نوش میسّر نہ آنے کی وجہ سے سخت تکالیف میں مبتلا ہو گئے۔ اور درختوں کے پتّے کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے رہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ

عنہانے یہ تین سال کا زمانہ کئی کئی وقت کے فاقوں میں گزارا ہے۔ اور ان کے معصوم بچّے اِس گھاٹی میں بھوک اور پیاس کی تکلیف سے اکثر روئے ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا امورِ خانہ داری کا پورا تجربہ رکھتی تھیں اور گھر کا انتظام اس خوبی سے کرتی تھیں کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ آپ کی خوش انتظامی اور سلیقہ شعاری کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:۔ "بچّوں کی ماں اور گھر کی منتظم"

پچّیس سال (سنہ ۱۰ نبوی مطابق ۶۲۰ء) تک آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی بسر کی اور ان تمام مصائب کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جو اشاعتِ اسلام میں پیش آئے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ اور بعد وفات آپ ہمیشہ ان کو یاد کرتے رہے۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے۔ ایک دن میں نے کہا" وہ تھیں کیا ایک بڑھیا۔ خدا نے آپ کو ان

سے بہتر بیوی عطا فرمائی۔

یہ سُن کر آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا، فرمایا:۔

”خدا کی قسم! مجھ کو ان سے بہتر بیوی نہیں ملی، وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے، انہوں نے میری رسالت کی تصدیق اس وقت کی جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا سارا زر و مال اس وقت اسلام کی راہ پر قربان کیا جب کوئی شخص میری مدد نہ کر سکا، اور اللہ نے اُن کے بطن سے مجھے اولاد عطا فرمائی“۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے دادا

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے دادا ابو طالب، حجاز کے نامور سردار عبد المطلب کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ ابو طالب کے تین بیٹے حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) اور دو بیٹیاں تھیں۔

حجاز میں جب قحط پڑا، ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ رہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حضرت عباس

رضی اللہ عنہم)۔ (ابو طالب کے بھائی) نے حضرت جعفر کو اپنی کفالت میں لیا۔

ابو طالب کو خدا نے خاص عظمتِ خاندان بخشی تھی۔ اور اُن کی سب سے بڑی عظمت یہ تھی کہ اپنے والد عبد المطلب کے بعد یتیم بھتیجے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی اور عہدِ نبوّت کے آغاز میں دشمنوں کے ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔

چالیس سال کی عمر میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو نبوّت (۲۷ رمضان مطابق ۲۳ اگست ۶۱۰ء) عطا ہوئی تو بچّوں میں سب سے پہلے ابو طالب کے بیٹے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ ابو طالب کا اس معاملہ میں اپنے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ ابو طالب کو اپنے بھتیجے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر اعتماد تھا۔ نبوّت کے چوتھے سال کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی الفاظ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تائیدی فقرات سُن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب سے دوسرے چچا ابولہب نے کہا:

"اپنے بھتیجے اور بیٹے کی اطاعت قبول کر لو"۔

ابو طالب کا اس طنز پر خاموش رہنا اور اشتعال انگیز گفتگو کا کوئی اثر نہ لینا حق پرستی اور ایثار نفسی کی اعلیٰ صفات ہیں جو ابو طالب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی صاحبزادی بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو ورِثہ میں ملیں۔ قریش کے سرداروں نے کئی بار حضرت ابو طالب سے کہا کہ "تمہارا بھتیجا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا، اور ہمارے بُتوں کو بُرا کہتا رہتا ہے"۔ ایک دفعہ جب یہ کہا کہ "اس کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تم سے قطع تعلق کر لیں گے"۔

تو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سوُرج رکھ دیں تو بھی خدائے واحد کی طرف اپنی قوم کو بلانے سے باز نہ رہوں گا"۔ ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے کہا "جو تمہارے جی میں آئے کرو میں تم سے قطع تعلق نہ کروں گا"۔

آخر جب قریش نے یہ طے کیا کہ بنو ہاشم کے تمام لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیں تو ابو طالب نے بنو ہاشم کو جمع کر کے کہا کہ "قریش بنو ہاشم کے دشمن ہو گئے ہیں۔ کیا یہ

مناسب نہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کریں جو ہمارے خاندان کا امین اور دیانت دار شخص ہے۔"

بنو ہاشم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عہد کیا۔ اور ابوطالب سب کو لے کر ایک پہاڑی پر تین سال رہے اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے ذریعہ اسلام کو غیر معمولی مدد پہنچائی۔ اگرچہ انہوں نے توحید و رسالت کا اعتراف زبان سے نہ کیا۔ لیکن مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے سے انتہائی محبت اور اسلام سے کچھ نہ کچھ عقیدت تھی۔ جب ان کی رحلت کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائیوں حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور وصیت کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت اور حفاظت میں رکھنا اور کسی حال میں اُن کی طرف سے غافل نہ ہونا۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی دادی

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی دادی جناب فاطمہ

بنت اسد خاندان بنو ہاشم کے جدِّ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی پوتی تھیں۔ ان کے والد اسد بن ہاشم اور عبد المطلب دونوں بھائی تھے اور یہ شرف صرف جناب فاطمہ بنت اسد اور ابو طالب ہی کو حاصل ہے کہ اُن کی نسل سے سب سے پہلے ہاشمی خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اور اس عہد میں یہ شرف بھی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا کہ وہ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔

ہجرت کے دوسرے سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد سے کہا "اللہ کے رسول کی بیٹی آئی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکّی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی چچی فاطمہ بنت اسد سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور اس پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ فاطمہ بنت اسد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بیٹا سمجھتی تھیں۔ اور ہر موقع پر ان کی مدد کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچی کی بار بار تعریف کی اور ان کے احسانات کو سراہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سرہانے بیٹھ کر فرمایا "اے میری ماں! خدا تم پر رحم فرمائے، میری ماں کے بعد تم ہی میری ماں تھیں۔ خود بھوکی رہتیں اور مجھ کو کھلاتی تھیں، خود تکلیف اٹھاتیں اور مجھ کو پہناتی تھیں"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "یہ الفاظ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو غسل دینے کے لئے فرمایا اور کافور ملا ہوا پانی اپنے ہاتھ سے میت پر ڈالا پھر اپنی قمیض دی جو بطور کفن پہنائی گئی اور جنازہ تیار کرایا"، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچی کی لحد بھی کھودی پھر اس میں لیٹے اس کے بعد خود قبر میں اتارا"۔

اور تدفین کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق یہ فرمایا "ابو طالب کے بعد میرے ساتھ نیکی اور سلوک فاطمہ بنت اسد سے زیادہ کسی نے نہیں کیا"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے باپ

حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے باپ اور رسول اکرم صلی اللہ

کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہاشمی خاندان کے بہترین شخص تھے۔ آپ کے باپ ابو طالب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ عبداللہ حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے آپ کو مانگ لیا۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمّ المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نگرانی میں آپ نے تربیت حاصل کی۔ دو سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی تو آپ نے فوراً اسلام قبول کیا۔

نبوت کے تیرھویں سال ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۱۵ ستمبر ۶۲۲ء جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی تو آپ کو اپنے بستر پر سُلا دیا۔ مشرکینِ مکّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے قصد سے آئے تو ان کی جگہ شیرِ خدا کو دیکھ کر ہاتھ مَلتے ہوئے چلے گئے۔

اسلامی تاریخ میں شیرِ خدا کی یہ قربانی ایک نہایت اہم خدمتِ اسلام ہے۔ ہجرت سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رکھوادی تھیں، اُن کے مالکوں کو واپس کردیں اور مدینہ چلے گئے اور چند ماہ بعد سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ

عنہا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بیٹی سے آپ کا نکاح ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ انتہا درجہ کے مستقل مزاج اور صابر تھے۔ مصائب اور آفات سے کبھی نہ گھبراتے تھے۔ خیبر کی جنگ (۷ھ ہجری مطابق ۶۲۹ء) میں جب کئی سپہ سالار فتح کی کوشش میں ناکام رہے تو آپ نے شجاعت اور جنگی مہارت سے صرف ایک دن میں خیبر کو فتح کر لیا، اپنے عہدِ خلافت میں جمل (۳۶ھ) اور صفین (۳۷ھ) کی لڑائیاں جو نہایت سخت تھیں، پوری طمانیت سے لڑیں اور ذرا نہ گھبرائے۔

اخلاق کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ بہت بُلند تھا۔ صفین کی لڑائی میں امیر معاویہ کی سپاہ نے آپ کے لشکر پر دریا کا پانی بند کر دیا۔ آپ نے جب اس دریا پر قبضہ کیا اور امیر معاویہ کا لشکر دریا سے دور چلا گیا تو شیرِ خُدا نے دشمنوں پر پانی بند نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا "میں پانی بند کر کے دشمن سے بدلہ لینا نہیں چاہتا۔"

دینی معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست مسلّمہ تھی۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) اپنے اپنے عہدِ خلافت میں اکثر آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

تدبّر میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایران پر لشکر کشی کی اور فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر خود لشکر کے ساتھ ایران جانا چاہا۔ آپ نے سخت مخالفت کی اور فرمایا: "مرکز خلافت سے آپ کا جُدا ہو جانا ملک میں اضطراب و انتشار پیدا کر دے گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور ارادہ بدل دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی بہت سیدھی سادی تھی۔ محنت مزدوری کرتے اور بوجھ اُٹھاتے، جب کھانے پینے کا سامان میسّر آتا آپ معمولی کھانا کھاتے اور آمدنی کا بڑا حصہ غُرباء اور مساکین پر صرف کرتے۔ جود وسخا اور ایثار کا یہ حال تھا کہ فاقہ کی حالت میں محنت مشقت کر کے چند درہم کما کر لاتے کہ راستہ میں کوئی بھوکا مل جاتا، اُس کا پیٹ بھرتے، ننگا ہوتا اُس کا بدن ڈھانکتے۔ دوسرا وقت بھی شیرِ خدا پر صاف گزر جاتا اور بھنے ہوئے چاول کا دانہ تک مُنہ میں نہ جاتا۔

علم وفضل اور فصاحت وبلاغت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ نثر ونظم دونوں میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کی تقریریں انتہا درجہ کی فصیح و بلیغ ہوتیں،

اور اتنی ہی دلنشیں اور مؤثر۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں فصاحت و بلاغت صبر و استقامت اور مصائب پر سکون و طمانیت کی صفات سب سے زیادہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ملی تھیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شیرِ خُدا کی اکثر و بیشتر صفات حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا میں تھیں۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ماں

اب اُس محترم اور مقدس خاتون کی حیات پاک کے چند واقعات لکھے جاتے ہیں جو سیدۃ النساء یعنی عورتوں کی سردار تھیں۔ جن کے خون اور جن کے دُودھ کی تاثیر نے حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا میں حیرت انگیز انسانی اور نسوانی صفاتِ عالیہ جمع کر دی تھیں۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ماں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہونے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت قریش خانہ کعبہ

کی تعمیر میں مشغول تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچپن سے سنجیدہ اور سادگی پسند تھیں۔ کھیل و تفریح کے مشاغل سے دلچسپی نہ تھی۔ زیادہ وقت اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارتیں اور گھر کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتی تھیں۔

ہجرت کے وقت سیدۃ النساء کی عمر ۱۸ سال کے قریب تھی۔ مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد محرم ۲ھ مطابق مئی ۶۲۴ء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ فتح خیبر یعنی ۷ھ تک محنت مزدوری کرتے اور سامان لاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو دے دیتے تھے۔ آپ کھانا پکا کر سب کو کھلا دیتیں۔ اور سب کے بعد خود کھانے بیٹھتیں۔ کھانا کھاتے وقت کوئی سائل آجاتا تو کھانا اس کو دے دیتیں اور خود فاقہ سے رہتیں اور خدا کا شکر ادا کرتیں کہ انہیں اس قابل کیا کہ کسی بھوکے کا پیٹ بھر سکیں۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محنت مزدوری کا کوئی کام نہ ملتا اور گھر کا چولہا کئی کئی وقت سرد رہتا۔ اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کرتیں اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتیں۔

گھر کا تمام کام یعنی چکّی پیسنا، روٹی پکانا، گھر کی صفائی، بچّوں کی دیکھ بھال سب خود کرتی تھیں۔ چکّی پیستے پیستے آپ کی دونوں ہتھیلیاں گِھس گئی تھیں اور چھالے تو پڑتے ہی رہتے تھے۔ غُربت کا یہ حال تھا کہ درجنوں پیوند لگی ہوئی چادر اوڑھ کر سوتی تھیں۔

سیدۃ النساء کے افلاس کا ایک دردانگیز واقعہ یہ ہے کہ جب کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق ایک آیت نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدّت سے روئے۔ صحابہ اپنے آقا اور مولا کو دیکھ کر خود بھی رو رہے تھے۔ آپ اس وقت چکّی پیس رہی تھیں۔ مفصل کیفیت سُن کر اُٹھیں اور ایک کمبل اوڑھا جس میں بارہ پیوند تھے۔ مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انہوں نے کہا۔

"قیصر وکسریٰ ریشم وحریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں"۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو سیدۃ النساء نے کہا "میں چکّی پیستی جاتی تھی اور یہ آیت پڑھتی جاتی تھی، قسم ہے خدا کی پورے پانچ سال ہوگئے کہ میرے اور میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا کوئی چیز

بچھانے کو نہیں ہے"۔

الزھراہی میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خانہ داری کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بیان درج کیا گیا ہے کہ مجھ پر اور فاطمہ پر آٹھ وقت سے فاقہ تھا کہ ایک شام کو اونٹ پر سے سامان ڈھونے کا کام مجھے ملا۔ جس کی اُجرت سوداگر نے ایک درہم دیا۔ رات زیادہ آگئی تھی۔ مشکل سے ایک دوکان سے جَو خریدے اور جلدی جلدی گھر پہنچا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خندہ پیشانی سے وہ جَو میری جھولی سے لئے۔ اُسی وقت اُن کو پیسا اور روٹی پکا کر میرے آگے رکھی۔ جب میں سیر ہو چُکا تو میں نے خدا کا شُکر ادا کیا اور کہا "بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درست ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہترین عورتوں میں سے ہے"۔

آپ کے اخلاق کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کے پڑوسی شمعون یہودی سے جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت اذیتیں پہنچیں۔ جب اس کی بیوی کا انتقال ہوا اور کوئی اس کی میّت پر نہ آیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے غسل دے کر اس کی میّت تیار کی۔

ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت علی سے حضرت فاطمہ ناراض

ہو گئیں اور رنج و غم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے گئے۔ اور ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیٹی! وہ کون سے میاں بیوی ہیں جن میں کبھی رنجش نہ ہو۔ اور یہ کیا ضروری ہے کہ خاوند تمام کام بیوی کی منشاء کے مطابق کرے۔ اور بیوی سے کچھ نہ کہے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ پھر کبھی کوئی سخت بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے نہیں کی۔

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسی بیوی تھیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "وہ پھول جس کی خوشبو مرجھا جانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے"۔

علم و فضل میں سیدۃ النساء کا درجہ بہت بلند ہے۔ وہ اکثر مسجد نبوی میں وعظ فرماتی تھیں ملا حسن شیرازی کا قول ہے کہ "اکثر اُن کی گفتگو کا ماخذ کلام اللہ ہوتا تھا"۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے نکاح ثانی کا قصد کیا۔ حضرت بی بی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا "علی میری بیٹی کو طلاق دے کر عقد کر سکتے ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہ) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی"

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدۃ النساء سے کس قدر محبت تھی۔ جب آپ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدۃ النساء سے رخصت ہوتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے آپ کے پاس جاتے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ الفاظ فرمائے ہیں:۔

"تمہاری تقلید کے لئے اے عورتو! تمام عورتوں میں مریم عمران کی بیٹی، خدیجہ (رضی اللہ عنہا) خویلد کی بیٹی، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جنت کی عورتوں کی سردار ہیں"

صداقت اور راست گوئی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا

کیا درجہ تھا، اس کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ہوتا ہے "میں نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی عورت کو راست گو نہیں دیکھا، البتہ ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کہتی ہیں کہ میں نے نشست و برخاست اور عادات و خصائل، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔"

سیدۃ النساء صورت و سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مشابہ تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صبر و ایثار اور درمندی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک اعرابی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھوکا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون ہے جو اس اعرابی کے کھانے کا انتظام کر دے؟" حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا، "یہ خدمت میں انجام دوں گا۔"

علی رضی اللہ عنہ نے نکاح ثانی کا قصد کیا۔ حضرت بی بی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا ''علی میری بیٹی کو طلاق دے کر عقد کر سکتے ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی''۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدۃ النساء سے کس قدر محبت تھی۔ جب آپ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدۃ النساء سے رخصت ہوتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے آپ کے پاس جاتے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ الفاظ فرمائے ہیں:۔

''تمہاری تقلید کے لئے اے عورتو! تمام عورتوں میں مریم عمران کی بیٹی، خدیجہ (رضی اللہ عنہا) خویلد کی بیٹی، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جنت کی عورتوں کی سردار ہیں''۔

صداقت اور راست گوئی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا

کیا درجہ تھا، اس کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ہوتا ہے "میں نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی عورت کو راست گو نہیں دیکھا، البتہ ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کہتی ہیں کہ میں نے نشست و برخاست اور عادات و خصائل، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔"

سیدۃ النساء صورت و سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مشابہ تھیں۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صبر و ایثار اور دردمندی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک اعرابی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھوکا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون ہے جو اس اعرابی کے کھانے کا انتظام کر دے"۔ حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا، "یہ خدمت میں انجام دوں گا۔"

یہ کہہ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اسے اپنے ساتھ لے گئے اور مسلمانوں کے گھر گھر جا کر کھانے کے لئے کہا مگر کسی کے پاس کچھ نہ نکلا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "کون ہے؟" سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "سلمان! خدا کی قسم آج تیسرا روز ہے۔ چاول کا دانہ اُڑ کر ہمارے مُنہ میں نہیں گیا، لیکن سائل کا سوال بھی رد نہیں کر سکتی۔ اس لئے تم میری یہ چادر لو اور شمعون یہودی کے پاس لے جا کر کہو کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی نے یہ چادر بھیجی ہے اسے رہن رکھ کر تھوڑی سی جنس قرض دے دو۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ شمعون کے پاس گئے اور واقعہ دہرایا، شمعون پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور اس نے کہا، "خدا کی قسم! یہی ہیں وہ لوگ جن کی خبریں ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دی ہیں۔ تم گواہ رہنا کہ میں حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر شمعون نے چادر واپس کر دی اور تھوڑا سا غلّہ دے دیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے واقعہ سُنا کر غلّہ جناب سیدہ کو دے دیا۔ انہوں نے غلّہ کو پیسا، آٹا گوندھا اور روٹیاں

پکا کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دے دیں کہ اعرابی کو کھلا دو۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا "تھوڑی سی روٹی بچّوں کے لئے رکھ لیجئے کئی وقت کے بھوکے ہیں۔" فرمایا "جو چیز میں خُدا کی راہ میں دے چکی اس میں سے ذرّہ بھر بھی میرے لئے جائز نہیں۔"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی اور بہنیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے چھے (۶) بچّے ہوئے۔

۱۔ حضرت امام حسن، ۲۔ حضرت امام حسین ۳۔ حضرت زینب ۴۔ حضرت اُمّ کلثوم ۵۔ حضرت رقیّہ ۶۔ حضرت محسن (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

رمضان سنہ ۳ھ مطابق ۶۲۸ء میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بیحد محبت تھی۔ شجاعت کا یہ حال تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

خلافت کے آخری دنوں میں بعض مسلمان اُن سے خوش نہ تھے۔ اور جب انہوں نے ایک مُفسد مروان کو ان کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رحم و کرم سے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا اور خلیفہ سے باغی انتقام لینے پر تُل گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر پہنچا کر آئے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ "میرا یہ بیٹا شریف اور کریم ہے اور خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ رسالت مآب کا یہ ارشاد سنہ ۴۱ھ میں حرف بہ حرف پُورا ہوا۔ اور یہ روایت شیخین سے ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ فرما رہے ہیں "یا اللہ! میں اس کو دوست رکھتا ہوں، تُو بھی اس کو دوست رکھ"۔

قوتِ برداشت کی یہ کیفیت تھی کہ امیر معاویہ کے خلاف جنگ میں اپنے خیمہ کے اندر مصلّے پر بیٹھے عبادت میں مصروف تھے کہ خارجیوں کا ایک گروہ اندر گھُس آیا۔ آپ کا مصلّا گھسیٹ لیا، جسم کی چادر کھینچ لی، اور ایک شخص نے آپ کی ران پر نیزہ مارا جس سے اس قدر خون بہا کہ زمین سُرخ ہو گئی مگر آپ نے کسی

کو کچھ نہ کہا اور پھر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ عفو و درگزر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جعدہ نے آپ کو زہر دیا۔ دل اور جگر کے ٹکڑے ہو گئے تھے اور خون کی کُلّیاں کر رہے تھے۔ حضرت امام حسین اور حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہم) نے کتنا ہی پوچھا کہ قاتل کا نام بتائیے مگر نہ بتایا۔

حضرت بی بی زینب اور حضرت امام حسن میں بے حد محبت تھی۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا اور انہوں نے ایک دفعہ طشت منگایا اور قے کے ساتھ جگر کے لوتھڑے طشت میں سے نکلے اور ان کو معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا طشت اُٹھانا چاہتی ہیں تو اس خیال سے کہ بہن کی نظر ان لوتھڑوں پر نہ پڑ جائے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خود طشت اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

شعبان ۴ھ مطابق ۶۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی حد درجہ کی محبت تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک دن بچوں میں کھیل رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اُٹھا لیا اور ایک شعر کہا۔

"میرا باپ فدا ہو، یہ نبی سے مشابہ ہے
علی سے نہیں۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ سے محبت کرتے تھے۔ اور ان دونوں کے عہدِ خلافت میں صحابہ کرام نے بھی آپ کا احترام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے صبر و تحمل، بردباری اور شجاعت کی تعریف کی۔ آپ کی حق گوئی، معاملہ فہمی، شریف النفسی سے ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بھی متاثر تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ نے بھی باپ کا ہاتھ بڑی خوبی سے بٹایا۔ امیر معاویہ کے بعد یزید تخت پر بیٹھا اور آپ سے بیعت لینی چاہی۔ تو چونکہ اس کی خلافت آپ کی اور آپ کی بہن بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی رائے میں صحیح نہ تھی، انکار کر دیا۔ اور اس سلسلے میں کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔

حضرت بی بی زینب اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) اوپر تلے کے بہن بھائی تھے۔ حضرت امام حسین بہن کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور جب حضرت زینب حضرت امام حسین

سے ملنے آتی تھیں تو کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ بٹھلاتے تھے۔

حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی چھوٹی بہن تھیں ــــــــــ حضرت بی بی زینب سے بڑی تھیں اور زینبِ کُبریٰ انہیں کو کہتے تھے مگر ان کے انتقال کے بعد حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا جو زینبِ صغریٰ کہلاتی تھیں زینبِ کبریٰ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان کا نکاح حضرت عمر فاروق بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے ہوا تھا۔ اور زید بن عمر اور رقیہ انہیں کے بطن سے تھے۔

دوسرا باب

بچپن

۵ ہجری سے ۱۷ ہجری

پیدائش

حضرت بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی یا اوائل شعبان ۶ سنہ ہجری پیدا ہوئی تھیں۔ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کے دو سال بعد۔

دوسری روایت کے مطابق رمضان ۹ ہجری چند روز باقی تھے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ ان دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی لڑائی (۹ھ) میں تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں موجود تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں صحابہ کرام اور اہلِ بیت میں جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا تھا اور خود حضور دہن مبارک میں کھجور چبا کر بچے کے تالو میں مل دیا کرتے تھے۔ حضرت زینب جب پیدا ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت زینب کو گود میں لے کر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور لعاب کھجور حضرت زینب کے تالو میں مل دیا۔

نام اور کنیت

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نام ان کی پیدائش کے کئی روز بعد رکھا گیا۔ جب دو تین دن گزر گئے تو حضرت سیدہ نے شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "بابا جان مدینہ میں تشریف نہیں رکھتے، لڑکی کا نام آپ تجویز کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "نبی کی بیٹی! نام تجویز کرنے کا اختیار تمہارے والد ماجد کو ہے۔ چند روز صبر کرو وہ آجائیں گے۔ اور جو نام مناسب سمجھیں گے تجویز فرما دیں گے۔"

تین روز بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حسبِ معمول سب سے پہلے حضرت سیدہ کے ہاں آئے اور بچی کو گود میں لیا۔ شیرِ خدا نے عرض کیا، "بچی کا نام تجویز فرما دیجئے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا اور یہ بھی فرمایا۔ "یہ بچی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مانند ہے۔"

تربیت

ایثار اور قربانی، فراست اور دانشمندی ....

استقامت اور استقلال، صداقت اور جرأت، تواضع اور مہمان نوازی، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، خلق و کرم، سادگی و پاکیزگی۔ ان تمام صفات کا حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں کے خون کا، جو اُن کی رگوں میں دوڑ رہا تھا، بلکہ فیض تھا اس ماحول اور صحبت کا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی اور بچپن اور کنوارپنہ گزارا۔ پھر سونے پر سہاگہ اس محترم و مقدس ماں کی تربیت بھی جس نے غیروں تک کو جانور سے انسان، پیتل سے سونا اور پتھر سے ہیرا بنا دیا تھا۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو سیدۃ النساء لوری دے کر سُلاتی تھیں تو کلام اللہ کی آیت سے۔ بچوں میں لڑائی ہوتی اور اُن کو سمجھاتی اور ڈراتی تھیں تو آیاتِ کلام مجید سے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چھ (۶) سال کے اور حضرت بی بی زینب پانچ سال کی تھیں کہ بھائی بہن میں کسی بات پر لڑائی ہو گئی۔ حضرت سیدہ نے کلام اللہ کی آیت سے انہیں سمجھایا کہ انہوں نے آپس میں لڑ کر خدا کو ناراض کر دیا۔ دونوں

بچّے ڈر گئے اور جب انہوں نے خدا سے معافی مانگ لی اور عہد کیا کہ آئندہ نہ لڑیں گے تو ماں نے دونوں کو سینے سے چمٹا لیا۔

ایک دن حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ استغراق کا یہ حال تھا کہ سر سے ردا اُتر گئی اور اُن کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی نظر پڑی تو سر ڈھانپا اور فرمایا۔

"بیٹی! خدا کا مقدس کلام اور ننگے سر"

خدائے واحد کی عظمت اور اس کا خوف حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے رگ و پے میں ان کی محترم ماں نے بٹھا دیا تھا۔

ماں کا سایہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے سَر سے جلد اُٹھ گیا، اُن کی عمر چھ یا ساڑھے چھ سال کی تھی کہ سیدۃ النساء نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ لیکن اس چھوٹی سی عمر میں ہی انہوں نے ماں کی تربیت کے طفیل بہت کچھ حاصل کر لیا۔

چھ سات سال کی عمر ناسمجھی کا زمانہ ہے مگر صاحبِ نظر اور صاحبِ دل بیٹی کو اس عمر میں ماں کی تربیت پارس بنا دیتی ہے۔

سیدۃ النساء کی رحلت کے بعد حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی تربیت پر شیرِ خدا نے پوری توجہ فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے دوسرا نکاح اُمّ البنین سے کیا اور انہوں نے ہی حضرت سیدہ کے بعد حضرت بی بی زینب کی تربیت کی۔ حضرت اُمّ البنین بنت حزام نہایت صالح، دیندار، عبادت گزار، سادگی پسند، رحم دل، ہمدرد اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو کر حضرت بی بی زینب کی تربیت میں انتہائی شفقت اور محبت سے حصہ لیا اور انہیں خانہ داری میں جو دلچسپی تھی اُس کی حوصلہ افزائی کی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

سرورِ کائنات کو اپنے بچّوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ حضرت بی بی زینب کی پیدائش کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر سفر پر گئے ہوئے تھے۔ پیدائش کا چوتھا روز تھا کہ واپس تشریف لائے۔ نواسی کو گود میں لے کر سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ "یہ لڑکی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی مانند ہے"۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ

رضی اللہ عنہا سے مشابہت دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

"خدا تعالیٰ نے چار عورتوں کو برگزیدہ کہا ہے۔ ایک مریم بنت عمران، دوسری آسیہ بنت حزام (فرعون کی بیوی)، تیسری خدیجہ بنت خویلد، چوتھی فاطمہ بنت محمد۔"

بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ سجدہ میں ہیں کہ حضرت بی بی زینب مبارک کندھے پر سوار ہو گئیں۔

ایک دفعہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفہ میں کہیں سے ایک ہار آیا اور آپ نے فرمایا "اہلِ بیت میں جو مجھے سب سے عزیز ہو گا، اس کو یہ ہار دوں گا۔" پھر یہ ہار آپ نے حضرت زینب کبریٰ کے گلے میں پہنا دیا۔

سنہ ۱۰ھ (مطابق ۷، مارچ ۶۳۲ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا تھا۔ اس حج میں حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور یہ حضرت بی بی زینب کا ایامِ طفلی میں پہلا حج تھا اور پہلا سفر تھا۔

سنہ ۱۱ھ ماہِ ربیع الاوّل مطابق جون ۶۳۲ء میں جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ رحلت قریب آیا تو،

حضرت سیدہ سے فرمایا۔ اپنے بچوں کو بلاؤ۔ سیدہ نے حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت زینب، حضرت اُمّ کلثوم (رضی اللہ عنہم) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریب بٹھایا۔ نانا کو سخت کرب و بے چینی میں دیکھ کر بچے رونے لگے۔ اور بچوں کو دیکھ کر بڑوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ حضرت بی بی زینب نے سینہ پر سر رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چمٹا لیا ــــ شفقت کی نظر سے دیکھا سر پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت

ہجرت کا دسواں سال تھا (مطابق ۶۳۲ء) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ اس حج میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ اپنے نانا کے ساتھ تھیں۔ یہ حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے اور اس میں دینِ اسلام کی تکمیل کا اعلان کیا گیا تھا۔ حجۃ الوداع سے واپس آکر چند ہی روز گزرے تھے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور بجائے بہتر ہونے کے روز بہ روز تکالیف میں اضافہ ہوتا رہا۔ علالت دردِ سر

سے شروع ہوئی۔

دوسرے روز آپ بقیع کے قبرستان سے کسی میّت کی تدفین میں شرکت کر کے واپس آئے تو دردِ سر شدت سے تھا۔ اور اس کے ساتھ بخار بھی تھا۔ تیسرے روز شدید درد کے ساتھ بُخار بھی تیز تھا۔ اور اب حالت ایسی نہ تھی کہ حجرُے سے باہر تشریف لے جاسکیں۔ علالت بڑھ رہی تھی۔ اور بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ بخار کی شدت سے اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ چلنا بھی مُشکل تھا۔

یہ حالت دیکھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہم) سے کہا "آثار اچھے نہیں، ہیں۔ مناسب ہو گا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت سے بہت پریشان اور بے حد مغموم تھے۔ اُن کی پرورش رسُول اللہ نے کی تھی اور اُن کو جو دلی تعلق اور عشق سرورِ کائنات سے تھا، اُس نے بے چین کر رکھا تھا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جواب دیا، "میں کس دل سے اللہ کے رسول سے گفتگو کروں۔"

جب افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "میں اس قابل نہیں ہوں کہ حجرے سے باہر جاسکوں، اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں اور نماز پڑھائیں"۔

اُمّ المومنین نے عرض کیا "میرے باپ بہت کمزور طبیعت کے انسان ہیں۔ وہ کس دل سے آپ کی جگہ امامت کر سکیں گے، کسی اور کے لئے ارشاد فرمائیے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اُن سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ (17) نمازیں پڑھائیں۔ "ہسٹری آف دی سراسنس" کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تین دن نماز پڑھائی۔ حضرت ابو بکر امامت کر رہے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کچھ سنبھلی اور اسی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سُن کر نمازی کھانسنے لگے۔ لیکن حضور نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکر صدیق کی پُشت پر ہاتھ رکھا تاکہ وہ بدستور نماز پڑھاتے ہیں اور خود ان کے پیچھے دائیں طرف کھڑے ہوئے مگر بخار تیز تھا۔ بیٹھ کر نماز پڑھی۔ یہ آخری نماز تھی،

جو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ادا کی۔

مسجد سے گھر واپس تشریف لائے تو بُخار اور تیز تھا۔ اور اب اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت لمحہ بہ لمحہ خطرناک ہو رہی تھی۔ بُخار کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ''اس سے پہلے میں نے اس شدّت کا بُخار کبھی نہ دیکھا تھا۔ جسم مُبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی مگر اس پر ہاتھ رکھنے سے جُھلسا جاتا تھا''

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت سے سیدۃ النساء کی کیا کیفیت تھی الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ وہ دیکھتی تھیں کہ دردِ سر نے جان پر بنا رکھی ہے اور بخار کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ نہیں رکھا جاتا۔ غشی کے دورے پڑ رہے ہیں مگر وہ اپنے مقدّس باپ کی ان جسمانی تکالیف کو کسی طرح سے کم نہ کر سکتی تھیں۔ آنکھیں حسرت اور بے کسی کے ساتھ یہ تکالیف دیکھتیں اور دل کہتا کہ باپ کی شفقت، جس نے ماں کی محبت بُھلا دی اب ختم ہونے والی ہے اور دُنیا سے وہ انسان رُخصت ہوتا ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اُس مقدس سایہ سے محروم ہوتی ہے، جو یتیموں بیواؤں، بے کسوں، بے بسوں، محتاجوں اور اپاہجوں کا والی اور زخمی دلوں کا بھایا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپتیں کبھی قدموں میں لوٹتیں، کبھی

چہرۂ اقدس کی بلائیں لیتیں، کبھی بے اختیار ہو کر چمٹ جاتیں۔ مگر ان کی اس حالت سے قدرت کے قانون میں فرق نہ آسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کام لینے تھے وہ لئے جا چکے تھے۔

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے مقدس باپ کی ابدی جدائی کے خیال سے بے چین اور بے تاب ہو کر اُن متبرک قدموں پر نثار ہو رہی تھیں کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کھولی اور بیٹی کا اضطراب دیکھ کر فرمایا۔" اہلِ بیت میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی"۔

ان الفاظ سے تسکین ہوئی مگر آنسو نہ تھمے۔ دل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اور دماغ کام نہ کرتا تھا کہ کیا کریں کیا نہ کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بے حد پریشان تھے۔ تاہم انہوں نے تسکین و دلاسے کی انتہائی کوشش کی تو ان کی طرف دیکھ کر کہا۔" علی! (رضی اللہ عنہ) کیا کہہ رہو؟ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) باپ سے بچھڑ رہی ہے"۔

یہ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دن تھا۔ حسنین سامنے اور زینب (رضی اللہ عنہم) برابر بیٹھی رو رہی تھیں کہ باپ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور یہ کہہ کر بی بی زینب سے لپٹ

گئیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں کہ ہمارے پاس جلانے کو تیل بھی نہیں ہے۔"

اب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دمِ واپسیں تھا۔ نزع کی تکلیف اس قدر سخت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "میں نے سکرات کی ایسی تکلیف کبھی نہیں دیکھی"۔

وہ دل جو بچوں کی معمولی سی تکلیف پر بلبلا جاتا تھا، وہ دماغ جس نے عرب کی کایا پلٹ دی اور حیوانوں کو انسان بنایا، اب خاموش تھا۔ ربیع الاوّل ۱۱ھ کی بارہویں اور جون ۶۳۲ء کی آٹھویں تاریخ اور پیر کا دن تھا کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

اور حضرت بی بی زینب نانا کی شفقت سے محروم ہوگئیں۔

•

سیدۃ النّساء کی وفات

آسمان کی آنکھوں نے سطحِ زمین پر جنت سے نکلنے کے بعد آدم علیہ السّلام کے آنسو بھی دیکھے اور یوسف علیہ السلام جیسے محبوب بیٹے کے بچھڑ جانے پر گریۂ یعقوب علیہ السلام بھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی آنکھوں سے فراقِ پدری

میں دن رات آنسوؤں کی جو لڑیاں گری ہیں اور جو حالت ہوئی ہے اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی بیٹی کی ایسی کیفیت نہیں دیکھی۔ کئی کئی وقت اور کئی کئی دن صاف گزر جاتے اور چاول کا دانہ تک مُنہ میں نہ جاتا۔

دن رات مزارِ اقدس پر زار و قطار روتی رہتیں۔ شوہر اور بچّے گھر لے آتے تو آجاتیں۔ مگر دماغ میں سمایا ہوا تھا خیال تو باپ کا اور دل میں بسی ہوئی تھی یاد تو باپ کی۔

ایک روز جب حضرت زینب ساتھ تھیں، مزارِ اقدس پر بلبلا بلبلا اور تڑپ تڑپ کر گریہ وزاری کر رہی تھیں کہ نیند آگئی۔ دیکھتی کیا ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور فرقت زدہ بیٹی کے چہرہ سے خاک صاف کر رہے ہیں۔ اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرماتے ہیں۔ "فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) خوش ہو کہ مجھ سے جلد ملے گی۔

آنکھ کھلی تو حالت اور خراب ہوگئی وُضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دُعا کی "دلوں کا حال جاننے والے بادشاہ تیری ادنیٰ بندی فاطمہ کی جو کیفیت ہے تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے، مجھے میرے باپ سے جلد مِلا دے"۔

رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو تھوڑی ہی مُدّت

ہوئی تھی۔ ایک شب جب کہ دو دن کا فاقہ تھا، نماز پڑھ رہی تھیں کہ چکّر آگیا زور سے گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔ یہ علالت کی ابتدا تھی اور اب یہ کیفیت تھی کہ زیادہ دیر تک کھڑا رہنا یا زیادہ دُور تک چلنا تکلیف دہ تھا۔ مزارِ مقدس پر بھی اب کم جاتی تھیں، مگر طبیعت روز بروز گر رہی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بچّوں نے غم غلط کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر دل کی لگی میں فرق نہ آتا تھا۔ بخار کی شدّت میں ایک دن عصر سے عشاء تک مزارِ اقدس کی پائنتی بے ہوش پڑی رہیں۔ آدھی رات گئے شیرِ خدا اور بچّے پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ روضۂ اطہر سے چمٹی ہوئی ہیں۔ جسم مبارک اور کپڑے خاک میں اَٹے ہیں اور زبان پر باپ کا نام ہے۔

شیرِ خدا نے کہا اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو اس قدر تیز بخار میں تمہاری یہ کیفیت دیکھ کر خوش نہ ہوتے۔ جواب دیا۔ آج پہلی رات ہے کہ دل میں تسکین پاتی ہوں۔ خواب میں اپنے پیارے باپ کو دیکھا، فرماتے ہیں "جدائی کا وقت ختم ہوا، اب تم میرے پاس آرہی ہو۔"

شیرِ خدا رضی اللہ عنہ اور بچّوں سے کچھ اور گفتگو کی اور گھر آنے کے لئے کھڑی ہوئیں۔ باپ کے مزار کو دیکھا، ایک سرد آہ بھری۔

"ہائے میرا باپ" کہہ کر گر پڑیں اور بے ہوش ہوگئیں۔ اور انہیں بے ہوشی کی حالت میں شوہر اور بچے اُٹھا کر گھر لائے۔ بخار دوسرے روز بھی تیز تھا۔ حضرت زینب اور حضرت اُم کلثوم (رضی اللہ عنہم) دونوں بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، کلیجہ سے چمٹائے روتی رہیں۔ پھر کچھ خیال آیا۔ بھینچ بھینچ کر پیار کیا اور فرمایا۔

"پیاری بچیو! خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے تمہاری ماں اب تم سے رُخصت اور تم ماں کی آغوش سے محروم ہوتی ہو۔ مگر میں خوش ہوں کہ علی جیسا باپ اور حسنین (رضی اللہ عنہم) جیسے بھائی تم پر جان چھڑکنے والے موجود ہیں۔ تکلیفوں میں گھبرانا، مصیبتوں میں اُکتانا، پریشانیوں میں جی چھوڑ دینا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھنا کہ تمہاری رگوں میں نانا کا خون بہہ رہا ہے۔ جس کو دشمنوں کے ہاتھوں سخت سے سخت اذیت پہنچی مگر اُس ذات پاک نے کسی کے لئے بد دُعا نہیں کی۔ اُس ماں کا تم نے دُودھ پیا ہے جس کی ساری عمر فقرو فاقہ میں گزری۔ جس نے مخلوق کی خدمت کی ہمیشہ کوشش کی اور اس باپ کی آغوش میں پلی ہو جس کی شجاعت اور صداقت، حق گوئی اور دیانت کے غیر

بھی معترف ہیں۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کا تم سے زیادہ چاہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ انہیں دشمنوں کے ہاتھوں جو تکالیف پہنچیں گی ان میں تمہاری محبت ان کے زخمی دلوں پر مرہم کا کام دے گی۔"

•

پھر حضرت بی بی زینب کو سینہ سے چمٹا کر کہا۔"کون کہہ سکتا ہے کہ حسنین کن مصائب میں مبتلا ہوں۔ زینب! ماں کی زندگی میں تو اپنے بھائی کی عاشق زار بہن رہی ہے۔ بات تو جب ہے کہ ماں کے بعد بھی بھائی کی محبت میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔ اور جس طرح تم دونوں اب تک شیر و شکر رہے اُسی طرح ہمیشہ ایک دوسرے کی صورت کے پروانے رہو میرے بعد اس کی ماں بھی تو ہے اور بہن بھی۔"

اس کے بعد مٹی گھولی، بچوں کو نہلایا، کپڑے بدلے اور سب کو پیار کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان سے کہا۔"میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے ہاتھوں پیوندِ زمین ہوتی ہوں۔ میرا کہا سُنا معاف کرنا۔ میں نے کپڑے اس لئے بدلے ہیں کہ انہیں کپڑوں میں مجھے دفن کر دینا۔ غیر محرم میرے جسم یا جنازے کو ہاتھ نہ

لگائے اور رات کے وقت دفن کرنا"۔

۶۳۳ء اور دسمبر کا مہینہ تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو چھ ماہ ہو چکے تھے۔ رمضان المبارک کی ۳۔ تاریخ اور منگل کا دن تھا۔ پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کیا۔ شوہر کے ساتھ حسنین کو باپ کے مزار پر بھیجا۔ حضرت زینب برابر بیٹھی ہوئی تھیں۔ قبلہ کی طرف مُنہ کر کے قرآن مجید پڑھنے میں مصروف تھیں کہ رُوح نے عالمِ بالا کو پرواز کی۔

ماں کے بعد

رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پہلا حادثہ تھا اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات دوسرا۔ اس وقت ان کی عمر چھ ساڑھے چھ سال تھی۔ ان حادثوں نے ان کو سخت صدمہ پہنچایا۔ جو گھر راحت وسکون کا گہوارہ تھا غم کدہ بن گیا۔ حضرت بی بی زینب اپنی چھوٹی بہن رقیہ یا زینب صغرا المعروف بہ اُمِّ کلثوم کے ساتھ گھر کے در و دیوار کو حسرت کے ساتھ دیکھتیں۔

حضرت امام حسنین رضی اللہ عنہم کی عمر بس بھی کچھ زیادہ نہ

تھیں۔ چاروں بچّے نانا اور ماں کی شفقت سے محروم ہونے کے بعد رنج وغم کے پُتلے بنے ہوئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بن ماں کے بچّوں کی بے کسی افسردگی اور پژمُردگی اور گھر میں چھائی ہوئی اُداسی کو دیکھ کر جلد سے جلد اس کا انتظام کیا کہ بچّوں کی دیکھ بھال کے لئے کسی سمجھدار اور دردمند خاتون سے نکاح کر لیا جائے۔ چنانچہ مصنف "حیاتِ حیدری" کے بیان کے مطابق کچھ دنوں بعد انہوں نے اُمّ البنین بنت حزام کلابیہ سے عقد کر لیا اور چاروں بہن بھائی اُن کی نگرانی میں رہنے لگے۔

یہ عرب کے مشہور شجاع خاندان سے تھیں۔ ان کا نام فاطمہ بنتِ کلابیہ بنتِ حزام بن خالد تھا۔ اُمّ البنین کنّیت تھی۔ اور یہی مشہور ہے۔

سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور سنہ ۱۵ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۂ دوم نے صحابۂ کرام کے وظائف مقرر فرمائے تو حضرات حسنین کو اصحابِ بدر میں شامل کر کے ان کے وظائف پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اتنا ہی وظیفہ ملا۔ ان وظائف کے گھر کی حالت کو بدل دیا۔ جو غربت سیّدۃُ النساء (رضی اللہ عنہا)

کی زندگی میں تھی وہ دُور ہوئی اور اب شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے گھر میں خوشحالی نظر آنے لگی۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کنوارپنے ہی میں باعتبار علم وفضل مدینے کی تمام لڑکیوں میں قابل ترین سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے گھر میں محلے اور قبیلے کی لڑکیوں کا اکثر مجمع رہتا تھا۔ اور جو وقت گھر کے کاموں سے بچتا تھا وہ تعلیم میں صرف کرتی تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سن رشد اس قدر اعلیٰ اور بہتر اور برتر تھا کہ مؤرخین کے بیان کے مطابق اس وقت قریش اور بنو ہاشم کی خواتین میں یہاں تک کہ عبد المطلب کی اولاد کی تمام لڑکیوں میں ایک بھی ان جیسی نہ تھی۔

تیسرا باب

جوانی

۱۷ھ سے ۳۵ھ تک

رضی اللہ عنہا

حضرت بی بی زینب کے خسر اور ساس

حضرت جعفر بن ابی طالب

جب اہلِ مکہ نے مسلمانوں پر بہت سختیاں کیں اور ان کو ہر وقت تکلیفیں پہنچاتے رہے تو ۵ھ مطابق ۶۱۵ء میں عورتوں اور بچّوں کے علاوہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے ان میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس بھی تھیں۔ حضرت جعفر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے حقیقی بھائی اور ان سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "جعفر تم صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو"

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت جعفر نے بیان کیا کہ "حبشہ پہنچ کر ہم نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ اپنے دین کے طریقہ پر خدا کی عبادت کرتے اور اسلامی

طریقہ پر زندگی بسر کرتے تھے۔ اہلِ مکّہ کو جب معلوم ہوا، تو انہوں نے ایک وفد شاہ حبش کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے شاہِ حبش سے کہا کہ "ہماری قوم کے چند بے وقوفوں نے ایک جماعت بنائی ہے جو اپنی معاشرت اور روایات سے دستبردار ہو گئی ہے۔ اور اب آپ کے ملک میں آئی ہے۔ یہ لوگ نہ تو دینِ قدیم کے پابند ہیں، نہ عیسائی ہیں۔ آپ اس جماعت کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے ساتھ وطن لے جائیں"۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ "جو لوگ میری پناہ میں آئے ہیں اُن کو ہرگز دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا، ہاں اُن لوگوں سے گفتگو کروں گا کہ معلوم ہو کیا بات ہے"۔

ایک علمی مجلس ترتیب دی گئی۔ مہاجرین مکّہ کا وفد اور دینِ مسیحی کے علماء جمع ہوئے۔ شاہِ حبش نے مسلمانوں سے پوچھا۔ "تم نے کون سا دین اختیار کیا ہے؟ اور اپنی قوم اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟"

جعفر بن ابی طالب نے اس کا جواب اس طرح دیا۔

"ہم ایسی قوم کے لوگ ہیں جو دُنیا بھر میں اپنی جہالت کی نظیر نہیں رکھتی۔ ہم بھی جہالت کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ بُتوں کو پُوجتے تھے۔ ظلم و ستم ہماری

گھٹی میں تھا۔ انسانی جان کی ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہ تھی۔ بدکاری اور بدچلنی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ جوُا اور چوری روزمرّہ کا کھیل تھا۔ مگر خدائے واحد نے ہمیں میں ایک رسُول پیدا کیا۔ ایسا رسول جس کے حسب نسب سے ہم واقف تھے، جس کی شرافت اور انسانیت، جس کی صداقت اور امانت کے ہم معترف تھے۔ اس نبیؐ برحق نے ہم کو یہ پیغام پہنچایا کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہمارا معبود ایک اور صرف ایک ہے، جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ اسی رسول نے ہمیں بتایا کہ ہمیشہ سوچ کر بولیں، امانت میں کبھی خیانت نہ کریں۔ بلاسبب کسی کی جان ہرگز نہ لیں۔ بے جا خواہش اور جھوٹ سے بچیں۔ اس نبی نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ عورتوں کی عزت کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پڑوسی کے بھی تمہارے اوپر حقوق ہیں۔ جو چیزیں تمہارے اُوپر حرام کردی گئی ہیں اُن کے پاس مت جاؤ۔ اس نے ہمیں یہ بھی سکھایا کہ خُدا کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کرو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو۔ اور غریبوں اور لاوارثوں، ناداروں اور محتاجوں کی امداد کرو۔ ہم نے نے اپنے رسول کی ان باتوں کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے۔ ہماری قوم نے یہ حالت دیکھی تو ہم پر طرح طرح کے ظلم وستم شروع کر دیئے۔ آخر ہم پریشان ہوکر اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ کی پناہ میں آ گئے اب آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیجئے۔"

شاہِ حبش نے کہا "جن کلمات کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ تمہارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی طرف سے لایا ہے، مجھے بھی سناؤ۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے چند آیات سنائیں۔ جن میں سورۃ مریم پارہ ۱۶ کی آیات شامل تھیں۔ شاہِ حبش اور عیسائی علماء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور شاہِ حبش نے کہا "یہ آیات اور آیات حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) خدا کے پاس سے لائے تھے ایک ہی ہیں۔"

پھر اس نے اہلِ مکہ کے وفد سے کہا "تم اپنے ملک کو واپس جاؤ، میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔" دوسرے دن یہ

لوگ پھر بادشاہ سے ملے اور کوشش کی کہ اُسے مہاجرین کی طرف سے بدظن کردیں۔ مگر کامیابی نہ ہوئی اور مکہ واپس آگئے۔

اب حضرت جعفر بن ابی طالب امن وسکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت اسماء بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

یہ تھے حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) جن کے بیٹے حضرت عبداللہ سے حضرت بی بی زینب کی شادی ہوئی تھی۔ ابوطالب، حضرت زینب بنت علی کے دادا بھی تھے اور عبداللہ بن جعفر کے بھی۔ عبداللہ کی دادی فاطمہ بنت اسد بھی ہاشم کی پوتی تھیں، اور ہاشم ابوطالب کے دادا بھی تھے۔

حضرت اسماء بنت عمیس

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ساس حضرت اسماء بنت عمیس بن سعد بن تمیم بن حارث تھیں۔ جب اُن کے شوہر حضرت جعفر ہجرت کر کے حبش گئے تو وہ ان کے ساتھ تھیں۔ اور حبش میں تین لڑکے محمد، عبداللہ اور عون پیدا ہوئے تھے۔

حضرت اسماء بنت عمیس عاملہ فاضلہ خاتون تھیں۔ ان سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ طبابت اور خواب کی تعبیر میں دخل رکھتی

تھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں انہوں نے اور حضرت اُمِّ سلمہ نے مرض تشخیص کر کے دوا پلائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان سے خواب کی تعبیر پوچھتے تھے۔

تاریخ میں کوئی ایسا واقع نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اُن کے اور اُن کی بہو حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے تعلقات کبھی ناخوشگوار ہوئے ہوں۔ اسماء بنت عمیس کا انتقال سنہ ۴۰ھ میں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر

جنگِ موتہ سے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں اسلامی لشکر واپس مدینہ کے پہنچا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے بیٹے عبداللہ کو اپنے گھوڑے پر آگے بٹھایا اور شہیدوں کے بچّوں کو بھی گھوڑوں پر سوار کرایا۔

عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) نے کہا "میرے باپ کی شہادت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور میرے بھائیوں کو لے کر مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے اور درد و غم بھری آواز میں

میرے باپ کی شہادت کی اطلاع مسلمانوں کو دی۔ پھر ہم کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے ساتھ کھلایا۔ تین روز تک ہم وہیں کھانا کھاتے رہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لاتے رہے۔"

حضرت عبداللہ کہتے ہیں "میں اس زمانہ میں بکریاں چراتا تھا۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ کو بکریاں چراتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ دُعا کی "اے اللہ! عبداللہ کے حق میں کشادگی پیدا کر"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا کی برکت سے جو کام میں نے کیا اس میں خدا نے میری مدد کی۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ اور ان کے بھائی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے رہے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رہے، یہاں تک کہ عہدِ شباب میں داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خوبصورت نوجوان تھے۔ ان کا خُلق وسیع تھا اور ان کی مہمان نوازی اور غربا پروری کی عام شہرت ہو گئی تھی۔ وہ نہایت کامیاب تاجر تھے۔ ان کی مالی

حالت بہت اچھی تھی۔ اور وہ مسلمانوں کی امداد میں بے دریغ اپنی دولت خرچ کرتے رہتے تھے۔

عرب کے جو دس آدمی فیاضی اور سخاوت میں مشہور تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن جعفر تھے۔ ایک دفعہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اسی وقت مجلسوں میں تقسیم کر دیئے۔ یزید نے اپنے عہدِ حکومت میں ان کو ایک بڑی رقم بھیجی، خود انہوں نے ایک درہم بھی نہ لیا اور ساری رقم مدینہ والوں میں تقسیم کر دی۔

عراق کے ایک زمیندار نے عبداللہ بن جعفر سے حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس سفارش کرائی اور جب وہ اپنے فیصلے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے چالیس ہزار درہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے جو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم نیک کام کرنے کی اُجرت نہیں لیتے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ جیّد عالم اور مفسرِ قرآن تھے۔ عبداللہ بن جعفر کے متعلق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "اُن کا خلق میرا خلق ہے"۔

نکاح

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ذہانت وذکاوت فراست ومتانت، خوش مزاجی اور سلیقہ شعاری کا چرچا اُن کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی ہو رہا تھا۔ جوانی کی منزل میں قدم رکھنا تھا کہ چاروں طرف سے پیغامات آنے شروع ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رہے۔ اُن کی خوش معاملگی، خوش اخلاقی، صداقت، دیانت، اُس پر اُن کی سعادت مندی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

ایک روز ایک صحابی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی عبداللہ بن جعفر سے کر دیجئے۔ بہر حال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو حضرت بی بی زینب کے لئے پیام نکاح دیا۔

اسلام میں سب سے پہلی اور ضروری شرط فریقین یعنی مرد عورت کی رضامندی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو

نظر انداز نہ فرما سکتے تھے کہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ (رضی اللہ عنہم) کی تحریک سے وہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے اپنا پیام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے دریافت کر کے جواب دوں گا۔"

اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو فرمایا "علی (رضی اللہ عنہ) تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا ہے۔"

اور پھر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی پر فرمایا۔ "فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔"

گھر کی عورتوں نے نہلا دھلا کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو آراستہ کیا، بالوں میں کنگھی کی، کپڑوں میں کوئی لیس تھی، نہ گوٹہ ٹھپہ۔ خوشبو لگائی اور خاندان کی عورتیں ان کو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آئیں۔ اور دوسرے دن حضرت عبداللہ بن جعفر نے دعوتِ ولیمہ کی۔

مہر

جس زمانہ میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی حالت

خراب اور خستہ نہ تھی۔ جیسی اس وقت تھی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ حضرت بی بی زینب کے نکاح کا وہ زمانہ تھا جب اِردگرد کے ملکوں سے کافی دولت سمٹ کر مدینہ میں جمع ہو گئی تھی اور سب خوش حال تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حالت اوسط سے بہتر تھی، وہ تجارت کرتے تھے اور مدینہ کے کامیاب تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

کلام اللہ میں ادائیگی مہر کی کئی جگہ تاکید ہے۔

"ان کے مہر ادا کردو جو واجبی ہیں"

"عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ دے دو"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی صحیح تاریخ کا جس طرح پتہ نہیں چلتا اسی طرح ان کے مہر کی صحیح رقم بھی معلوم نہ ہو سکی۔

جہیز

عرب میں برتن چکّی اور خانہ داری کی دوسری چیزیں جہیز میں دی جاتی تھیں تاکہ دُولہا کے گھر پہنچ کر دُلہن اپنی چیزیں فوراً استعمال میں لا سکے اور شرم کی وجہ سے ضرورت کی کسی چیز کی تکلیف نہ اُٹھائے۔ اس کی وجہ یہ بھی

ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ میں عرب سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ضرورت سے زیادہ سامان گھر میں نہ رکھتے تھے۔

خانہ داری

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دُنیا کا تمدّن یہ تھا کہ روساء اور حکام سے قطع نظر کرکے گھر کا تمام کام عورتیں کرتی تھیں۔ سیدۃ النسأ کی خدمت میں ارادت مند خواتین اکثر حاضر رہتیں مگر خانہ داری کے تمام کام حضرت سیدہ اپنے ہاتھوں انجام دیتی تھیں۔

البتہ جب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے ہوش سنبھالنا شروع کیا تو اپنی محترم ماں کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگیں۔

شادی ہوکر جب وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں تو ان کو خانہ داری کے فرائض ادا کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی زحمت سے سابقہ نہیں پڑا۔ گھر کی ہر چیز قرینے سے رکھتیں کہ ضرورت کے وقت فوراً مل جائے۔ کسی کو تلاش کرنے میں ذرا بھی دِقّت نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ دولت مند آدمی تھے ان کے ہاں خدمت گار بھی تھے اور ملازم بھی۔ لیکن گھر کی صفائی

ستھرائی، جھاڑو بُہارو غرض ہر کام خود کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ چکّی بھی پیستی تھیں۔ اُن کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ فضول اور بے کار کوئی چیز اپنے گھر میں نہ رکھتی تھیں۔ کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور وقت پر تیار کرتیں۔ جب تمام مرد اور بچّے یا مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے تب کھاتیں۔ اور جو بچ جاتا وہ اٹھا کر نہ رکھتیں، بلکہ کسی بھوکے کو کھِلا دیتیں۔

کفایت اور نظم ان کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں اور نہ کسی ایسی چیز کو محفوظ رکھتیں جو خراب ہو کر نقصان کا موجب ہو۔ اُن کی خانہ داری میں غریبوں، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی۔ جن کی امداد میں ہمیشہ فراخ حوصلگی سے کام لیتیں۔ اپنی محترم ماں کی طرح انہیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا۔ اور جو کچھ میسر آتا صبر و شکر کرتیں۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کہ "زینب (رضی اللہ عنہا) بہترین گھر والی ہے"۔ بتا رہے ہیں کہ سیدہ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات

جس بیوی نے شوہر کی عظمت کا سبق سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) جیسی ماں سے سیکھا ہو، جو خانہ داری کے تمام کاموں میں ماہر ہونے کے علاوہ ہر کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی عادی ہو، اس نیک بیوی کو شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہوگی بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ خوشحال تاجر تھے۔ مدینہ اور کوفہ میں اُن کی جود وسخا کی خاص شہرت تھی۔ اُن کی سخاوت ایک وقت میں یا ایک شخص کو کئی ہزار درہم، مؤرخین بیان کر رہے ہیں۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے خصائل میں محنت جفاکشی، سادگی وہ پختہ عادتیں تھیں کہ شوہر کی دولت ان کی طبیعت اور مزاج میں غرور پیدا نہ کر سکا۔ اور انہوں نے شوہر کی دولت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ خلق خدا پر اپنا روپیہ بے دریغ خرچ کرتے تھے مگر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی طرح ان کی طبیعت میں بھی سادگی تھی اور وہ بھی تکلف کی

زندگی پسند نہ کرتے تھے۔ مزاج اور خیالات کی اس ہم آہنگی کا بھی زوجین کے تعلقات پر گہرا اثر پڑا۔ اوراوراقِ تاریخ میں، ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات میں کبھی بدمزگی ہوئی ہو۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ کو کسی خاص معاملہ میں شکایت کا موقع نہ دیا۔ اور ہمیشہ انہیں خوش رکھا۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ کی خوش اخلاقی اور نیک مزاجی کا یہ حال تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:۔

"اس کا خُلق میرا خُلق ہے"۔

اگر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتیں تو حضرت عبداللہ بھی بی بی زینب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ ایک موقعہ ایسا آیا تھا جب تعلقات میں بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکّہ جانے لگے تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے ساتھ جانے کے لئے شوہر سے اجازت مانگی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خلافِ معمول بیوی کی آنکھ میں آنسو دیکھ کر گھبرا گئے اور پوچھا۔ "خیر تو ہے، کیا بات ہے؟"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا "تم کو معلوم ہے کہ مجھے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت ہے اُن کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ اگر تم اجازت نہ دوگے تو تمہارا حکم میرا فرض ہے مگر میرے دل کی جو حالت ہوگی اُسے بھی سمجھ سکتے ہو"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے اجازت دے دی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بی بی زینب اور حضرت عبداللہ کے تعلقات اس قدر اچھے تھے کہ حضرت عبداللہ کو بیوی کی دل شکنی گوارا نہ ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہ اور حضرت بی بی زینب، حضرت علی کے ساتھ رہے۔ حضرت عبداللہ جنگِ جمل ۳۶ھ، جنگِ صفین ۳۷ھ اور جنگِ نہروان ۳۸ھ میں موجود تھے اور بہت اہم جنگی ذمہ داریاں ان کے سپرد تھیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب ۴۱ھ میں حسنین رضی اللہ عنہم مدینے آگئے، اس وقت وہ بھی ان کے ساتھ آئے"۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار تھے۔

چوتھا باب

اسلامی سیاست کی
ہولناک چوتھائی صدی

۳۵ھ تا ۶۰ھ ہجری

مطابق

۶۵۶ء تا ۶۸۰ء عیسوی

(چوتھا باب)

اسلامی سیاست کی ہولناک چوتھائی صدی

سنہ ۳۵ھ تا سنہ ۶۰ ہجری
مطابق
سنہ ۶۵۶ء تا سنہ ۶۸۰ عیسوی

●

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا بڑا حصہ فکر و آلام اور شدت کے صدمات اور مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرا۔ اُن کے اطمینان اور سکون کا جو زمانہ کہا جاسکتا ہے، وہ شادی سے سنہ ۳۵ھ تک ہے۔ جب انہوں نے ایک سلیقہ شعار اور منتظم گھر والی، ایک خدمت گزار بیوی، ایک سمجھ دار اور شفیق ماں، ایک فرماں بردار بیٹی، ایک عاشق زار بہن، ایک ہمدرد پڑوسن، اور ایک ہمدرد مومنہ کی حیثیتوں سے زندگی بسر کی۔

سنہ ۳۵ھ سے سنہ ۶۰ ہجری تک کا زمانہ سیاستِ اسلامی کی وہ چوتھائی صدی اور تاریخِ اسلام کا وہ خونیں باب ہے، جس کا

براہِ راست حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ذات سے تعلق نہیں، لیکن اس کا مختصر تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے اس میں حصّہ لیا۔ اور اسی سیاست کا اُن کی زندگی کے آخری دور پر نہایت گہرا اثر پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت

۳۵ھ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک چوتھی خلافت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا گیا تو انہوں نے منظور کر لیا۔ اور ۱۳ ذی الحج مطابق ۲۴ جون ۶۵۶ء مسجدِ نبوی میں خلیفہ منتخب ہوئے۔

مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر ان سے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا کہ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے شرعی حکم قصاص جاری کیا جائے۔ ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ "ادھر تو یہ مطالبہ جاری تھا، اُدھر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حج کے لئے مکّہ گئی ہوئی تھیں۔

مدینہ تشریف لا رہی تھیں کہ راستے میں انہیں اطلاع ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ وہ مکہ واپس ہو گئیں۔ اور وہاں جو صحابہ موجود تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ "خونِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضرور طاقت کے زور سے مطالبہ کیا جائے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ان دشواریوں کے ساتھ ہوا۔ اس پہ ایک اور واقعہ یہ رونما ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ حضرت عثمان کے عامل کہیں ایسا نہ ہو کہ میری خلافت میں مزید مشکلات پیدا کر دیں انہوں نے معزول کرنے کی کارروائی شروع کی۔ جس میں انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ مگر بعض صوبوں کے حکام نے خلیفہ کے اس حکم کو قبول نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ شام کے حاکم امیر معاویہ نے جو ابو سفیان کے چھوٹے بیٹے تھے۔

اس زمانہ میں حضرت علی، حضرات حسنین اور بی بی زینب (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی ذمہ داریاں جس قدر بڑھ گئیں تھیں ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ حضرات حسنین (رضی اللہ عنہ) کو معتمد صحابہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان علاقوں کی جانب خراج وصول کرنے کے لئے روانہ کیا

جہاں اُن کے خیر خواہوں کی کافی تعداد موجود تھی۔

حضرت بی بی زینب کی کوشش

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے خلافتِ چہارم کی وفاداری کی تبلیغ خواتین میں شروع کی۔ روزانہ اپنے والدِ ماجد کے گھر میں یا اپنے شوہر کے مکان پر یا کسی اور معتمد کے ہاں مجلس منعقد ہوتی جس میں وہ ان تمام غلط فہمیوں کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے پھیلی ہوئی تھیں، معقول دلائل سے دُور کرنے کی کوشش کرتیں۔

حضرات حسنین اور حضرت بی بی زینب کی ان کوششوں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ مدینہ کی زہر آلود فضا میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ اور اُدھر حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ کافی فوج لے کر آئے۔

جنگِ جمل (ربیع الاوّل ۳۶ھ)

حضرات طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منظور کر لی تھی، مگر دونوں مکّے چلے گئے تھے۔ اُدھر مروان نے ایک جمعیت تیار کی اور مکّہ پہنچ کر ایسے دردسے حضرت عثمان

کی شہادت اور بنو ہاشم کے مظالم بیان کئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زارو قطار رونے لگیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے اس بنا پر کہ ''حضرت علی نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کا انتقام کیوں نہیں لیا۔'' فوجیں جمع کیں اور بصرہ روانہ ہوئے۔

مدینہ کی فضا بڑی حد تک حضرت بی بی زینب نے صاف کرلی تھی۔ مگر جب حضرت علی کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) کا لشکر مکہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہو گیا ہے تو جس طرح اُمّ المومنین کو بہکایا گیا تھا، اُسی طرح مُفسدوں نے امیرالمومنین کو ترغیب دی اور وہ بھی لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور بہت کوشش کی کہ مسلمانوں کا خون نہ بہے مگر کامیاب نہ ہوئے۔ جنگ ہوئی اور اس قدر شدید کہ دس ہزار مسلمان مارے گئے۔ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر جیسے بڑے صحابی اس کی نذر ہوئے۔

آخر صلح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر قبضہ کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہایت عزت و حُرمت سے اُن کے بھائی محمد بن ابوبکر کے ہمراہ اور بصرہ کی چالیس معزز خواتین کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

کوفہ "دار الخلافہ"

جنگِ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی سکونت ترک کردی اور کوفہ دار الخلافہ بنایا۔

اس لئے اہل وعیال کو لے کر کوفہ آگئے۔ کوفہ میں کچھ مفسدوں کی تعداد کافی تھی۔ لیکن معتقدین بھی بہت معقول تھے۔ انہیں لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اقتدار کوفہ میں بڑھایا۔ اس کے علاوہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے باپ اور شوہر کے ساتھ کوفہ آگئی تھیں۔ اور انہوں نے وعظ و درس کی مجلسوں میں فضا درست کرنے میں بڑا کام کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ امیر معاویہ کی جدوجہد کا کوفہ پر کوئی اثر نہ پڑا۔

جنگِ صفین ۳۷ھ مطابق ۶۵۷ء

کوفہ آنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سب سے بڑے مخالف امیر معاویہ بن ابوسفیان بن حرب سے جو ۲۲ سال سے حاکم شام تھے اطاعت کا مطالبہ کیا۔ مختلف حضرات کے ذریعہ اور خود خطوط لکھ کر، لیکن کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ امیر معاویہ کو شام کا علاقہ ممالک اسلامیہ میں شامل کر کے خلیفۂ وقت کی بیعت کر لینی چاہیئے۔ اس کے بعد قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہم کو سزا دینے کا

مقدمہ ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق پیش کیا جائے۔
امیر معاویہ کہتے تھے کہ حضرت عثمان کے قتل میں حضرت علی رضی اللہ عنہم ا کا ہاتھ تھا اور انہوں نے قاتلانِ عثمان کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔ بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ "امیر معاویہ ہر جمعہ کو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ دکھا کر شامیوں کو بنو ہاشم کے خلاف ترغیبِ جنگ دیتے تھے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو ایک خط میں بہت کچھ سمجھایا کہ تمہاری ضد اسلام کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ مگر اُن پر کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ خلیفہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور صفین کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی۔
عمرو بن العاص کے مشورہ سے امیر معاویہ نے نیزوں پر قرآن مجید چڑھا کر اعلان کیا تھا کہ "ہمارے تمہارے درمیان قرآن کا فیصلہ کافی ہے"۔
اس تدبیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا "قرآن کا فیصلہ ہمیں منظور ہے"۔ مگر دوسری جماعت کی رائے تھی کہ "یہ ایک فریب ہے، جنگ کو جاری رکھنا چاہیئے"۔ اوّل الذکر جماعت کی کثرت تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پر عمل کرنا پڑا۔ اور یہ طے ہوا کہ دونوں

ایک ایک معتمد مقرر کردیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن العاص مقرر ہوئے۔ یہ طے ہو جانے پر لڑائی بند کی گئی۔ لشکر واپس ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اختلاف رائے تھا، تمام راستے انتشار رہا۔ اور کوفہ پہنچتے پہنچتے بارہ ہزار آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے۔ یہی لوگ خوارج کہلاتے ہیں۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا، یہودی منافق تھا۔

جنگِ صفین میں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ۲۳ ہزار اور امیر معاویہ کے ۴۵ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ۹۰ ہزار۔

کہتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک بحیثیت مجموعی مسلمانوں کا اس قدر نقصان نہ ہوا تھا جتنا صرف جنگِ صفین میں۔ بیعتِ رضوان کے ۸۰۰ صحابہ نے جنگِ صفین میں حصہ لیا تھا اور ان میں سے ۳۰۰ نے شہادت پائی۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی عملی حصہ نہیں لیا، لیکن ان کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ان معرکوں میں شریک رہے۔

خوارج سے جنگ ۳۸ھ

خوارج نے ۳۷ھ میں کوفہ چھوڑ دیا تھا اور مقام حرورا کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا اور پھر خود تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر کوفہ لے آئے۔ اب جو کوفہ پہنچ کر لوگوں نے عمرو بن العاص کے فیصلہ اعلان کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ سے جنگ کی تیاری پھر شروع کی۔ اس فیصلہ سے خوارج پھر برہم ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر کوفہ سے چلے گئے۔ اور مقام نہروان کو اپنا مرکز بنایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کافی فوج کر کے انہیں پھر منانا چاہا مگر وہ نہ ملنے۔ بلکہ حضرت علی کے خلاف فوجیں جمع کیں۔ یہاں تک کہ جب جون ۶۵۸ء میں ستر ہزار آدمی جمع ہو گئے تو لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھر انتشار شروع ہوا تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ "شام کی مہم کو فی الحال ملتوی کر کے خوارج کے فتنہ کا خاتمہ کر دیا جائے"۔ چنانچہ چار مقامات پر ان کو شکست دی اور ان میں مقابلہ کی قوت نہ رہی۔

رضی اللہ عنہا

حضرت بی بی زینب کا کوفہ میں قیام اور مجلس درس و وعظ

۳۷ھ (مطابق جولائی ۶۵۷ء) میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے آئے تو اُن کے ہمراہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی آگئے۔

کوفہ پہنچ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے درس و وعظ کی مجلس روزانہ منعقد کی اور بعد نمازِ ظہر قرآنی احکام، ارشادِ نبوی کی تفسیر و تشریح سے خواتین کو مستفید فرماتی رہیں حضرت بی بی زینب کی فصاحت اور شیریں بیانی کا ڈنکا مدینہ میں بج رہا تھا۔ کوفہ میں بہت سی خواتین ان کی مشتاق تھیں۔ یہاں پہنچیں اور روزانہ مجلس وعظ منعقد کی۔ تو خواتینِ کوفہ پروانہ وار گریں۔ ہر مجلس میں کثیر تعداد میں خواتین شریک ہوتیں اور حضرت بی بی زینب کا بیان جو تاثیر اور درد سے لبریز ہوتا پوری توجہ سے سنتیں، حضرت علی اور اہلبیتِ نبوی کی سچی عقیدت مند ہو جاتیں۔ اُن کی ہر ممکن اعانت فرض سمجھتیں اور اپنے مردوں کے خیالات کی اصلاح کرتیں۔ مدینہ کی طرح کوفہ میں بھی حضرت

بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے وعظوں کی وجہ سے تھوڑی مدت میں حضرت علی کے ہمدردوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

ایک روز سورۃ مریم کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ فرمایا" میں نے سنا تم عورتوں کے سامنے کھیٰعص کی تفسیر بیان کر رہی ہو"۔

عرض کیا" جی ہاں آبا جان! آپ پر میری جان قربان"۔

حضرت علی نے فرمایا" جانِ پدر! یہ جملہ ایک رمزِ الٰہی ہے جس سے مصیبت کا اظہار ہوتا ہے"۔ یہ سُن کر حضرت زینب کے آنسو نکل آئے۔

باپ کی شہادت

رمضان ۴۰ھ کی ۱۷ تاریخ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔ اور ایک سازش کے تحت ایک شخص ابنِ ملجم خارجی نے اس زور کی تلوار ماری کہ خون میں نہا گئے۔ مسلمانوں نے اپنے زخمی خلیفہ کو گھر پہنچایا۔ اور قاتل کو پکڑ کر خدمتِ اقدس میں حاضر کیا۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اسے دیکھتے ہی اس طرح

مخاطب ہوئیں "اے خدا کے دشمن، تُو نے امیر المومنین کو قتل کر ڈالا۔"

ابنِ ملجم نے کہا "نہیں، امیر المومنین کو نہیں بلکہ تمہارے باپ کو۔" حضرت بی بی زینب نے فرمایا "ان کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔" قاتل بولا "تو پھر کیوں روتی ہو، قسم ہے خدا کی، میں نے ایک مہینہ اس تلوار کو زہر پلایا ہے۔"

دوسرے روز یعنی ۱۸ رمضان کو، جب زخم کی تکلیف نے جان پر بنا رکھی تھی تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو پاس بٹھا کر فرمایا "میں اب چند ساعتوں کا مہمان ہوں۔ باپ کی موت تیرا کلیجہ توڑ دے گی مگر یہ وہ ورثہ ہے جو حضرت آدم سے شروع ہو کر ہر شخص کو مل رہا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات صرف خدائے واحد کی ہے۔ جس دُنیا نے خُدا کے رسول سے وفا نہ کی وہ علی سے کیا وفا کرتی۔ مگر میں خوش ہوں۔ میری زندگی بھی خدا کے لئے ہے۔ البتہ بشریت تم بچّوں کی بے بسی پر دل کڑھا رہی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ میں اپنے بچّوں کو دشمنوں میں چھوڑ رہا ہوں۔

لیکن میری عزیز بیٹی! مجھے یقین ہے کہ تُو بھائیوں کے لئے ڈھال کا کام کرے گی۔ انہیں تیری صورت میں باپ کی

شفقت اور ماں کی محبت نظر آئے گی۔"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا یہ کہہ کر جمٹ گئیں "بابا جان ہمیں تنہا نہ چھوڑیے، ماں کے بعد زندگی کا سہارا آپ تھے۔ آپ کے بعد اللہ ہی اللہ ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسنین کو بلایا اور کہا "میرے بعد تم بہنوں کے بھائی نہیں باپ بھی ہو۔ خیال رکھنا میری بچیوں کے دل میلے نہ ہوں۔ کوئی خطا ہو تو معاف اور کوئی غفلت ہو تو درگزر کرنا تمہاری طرف سے ان کو معمولی سا بھی رنج پہنچا تو تمہارے ماں باپ کی روحیں تڑپ جائیں گی۔ دیکھو کبھی بھول کر کوئی قدم ایسا نہ اٹھانا جو اسلام کے خلاف ہو۔

اس گفتگو کے بعد شیرِ خدا نے دنیا میں تین راتیں اور گزاریں اور ۲۱ رمضان کو ۶۳ سال کی عمر میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

یہ شہادت کسی معمولی انسان کی نہیں، اُس شخص کی تھی جس نے قصرِ اسلام کی بنیادیں مستحکم کرنے میں ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اپنی بساط سے بڑھ کر کی اور اتنی کی کہ اس کی نفس کشی اور جرأت و ہمت پر انسانیت انگشت بدنداں ہے۔ یہ وہ مسلمان تھا جس نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی

تصدیق بچوں میں سب سے پہلے کی۔ اور ہجرت نبوی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ کر اپنے آقا و مولیٰ کی جان بچانے کے لئے اپنی جان موت کے منہ میں ہنسی خوشی ڈال دی۔ اور جس کی شہادت کی خبر ملنے پر مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لمبے لمبے آنسوؤں سے روئیں اور کہا "عرب جو اُن کا جی چاہے اب کریں کوئی ان کی روک ٹوک کرنے والا نہیں رہا۔"

جب ان کو شیرِ خدا کی خبر شہادت ملی تو وہ غم سے نڈھال ہو گئیں اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر پہنچ کر دروازہ پکڑ لیا اور دردناک آواز میں کہا "اے خدا کے نبی! تجھ پر سلام۔ ابو القاسم تجھ پر سلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام۔ میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر سنانے آئی ہوں۔ میں آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے ہوں۔ بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، آپ کا منتخب عزیز قتل ہو گیا، جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ وہ قتل ہو گیا۔"

باپ کی شہادت کا حضرت زینب پر اثر

شیرِ خُدا کی شہادت حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کا تیسرا زبردست صدمہ تھا۔ نانا اور موت کی رحلت کے وقت ان کا سن زیادہ نہ تھا۔ لیکن باپ کی موت کا انہیں سخت صدمہ پہنچا اور بالخصوص اس حالت میں جب کہ وہ اپنے باپ کی خلافت کو قائم اور کامیاب بنانے میں اپنی پوری قوتِ علم وعمل سے کوشاں تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے آغاز میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرات حسنین اور حضرتِ بی بی زینب نے اِن دِقتوں اور پریشانیوں کو دُور کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ جو امیدیں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے دل میں پرورش پا رہی تھیں، شیرِ خدا کی شہادت نے ان کا خاتمہ کر دیا۔

وہ تین سال تک کوفہ کی خواتین میں اپنے مواعظ اور ارشادات سے اسلام کو اصلی اور حقیقی صورت میں پیش کرتی اور خواتین کے ذریعہ مردوں کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کرتی رہیں۔

حضرت فاطمتہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی رحلت ۱۱ھ میں ہوئی اور شیرِ خدا ۴۰ھ میں شہید ہوئے۔ یہ انتیس سال کا درمیانی زمانہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کے مختلف مناظر پیش کر رہا ہے۔

ابتدا میں وہ سوتیلی ماں کی نگرانی میں ایک اطاعت شعار اور فرماں بردار بیٹی کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اُمّ البنین اُن کی دوسری ماں ہیں۔ یا حضرت بی بی زینب نے اُن کو غیر یا سوتیلی ماں سمجھا ہو۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایک گھر کی نگراں اور منتظم قرار پاتی ہیں اور بہن بھائیوں کے ساتھ انتہائی محبت اور خدمت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ زندگی کے اس دور میں بھی کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قلوب میں تلخی یا ناگواری پیدا کرسکتا۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب وہ شوہر کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں اور اتنی اچھی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کبھی اُن سے شکایت نہ ہوئی۔ وہ شوہر کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوتی ہیں۔

اس کے بعد کوفہ کا زمانہ آتا ہے جب وہ مواعظ اور ارشادات سے ایک طرف اسلام کی حقیقی خدمت انجام دیتی ہیں تو دوسری

طرف سیاست میں بھی باپ کی پوری طرح مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے باپ کا سایہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جیسی بیٹی کے سر سے اُٹھ جانا معمولی حادثہ نہ تھا۔ باپ کی شہادت سے اُن کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دست برداری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو کر ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو کوفیوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت لینے کی درخواست کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تامل کیا مگر کوفیوں کے اصرار پر فیصلہ دوسرے دن کے لئے رکھا۔ حضرت بی بی زینب اور حضرت امام حسین اور دوسرے عزیزوں سے مشورہ کیا۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا باپ کی شہادت سے بے حد غمگین تھیں، تاہم انہوں نے تمام معاملات پر غور کر کے بھائی کو نہ صرف مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا وہ خلافت قبول کر لیں۔ چنانچہ ۲۲۔ رمضان کو کوفیوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا۔

چند روز بعد جب یہ خبر ملی کہ امیر معاویہ حملہ کرنے والے ہیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر کوفہ سے روانہ ہوا۔ حضرت امام حسن نے بھی کہا کہ اہلِ کوفہ پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے میرے باپ کو بھی ان لوگوں نے تکلیفیں دیں۔"

کوفی سکون واطمینان پسند نہ تھے وہ حضرت امام حسن کی خاموشی سے خوش نہ ہوئے اور مطالبہ کیا کہ لشکر جمع کر کے شام پر حملہ کیا جائے اور مُلک امیر معاویہ سے چھین لیا جائے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جنگ وجدال پسند نہ کرتے تھے۔ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اس مطالبہ سے اتفاق نہ کیا لیکن سبائی کوفیوں کا اصرار روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ مجبور ہو کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے لشکر فراہم کیا اور مدائن کی طرف سے بڑھے۔

جب امیر معاویہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے تمام صوبوں سے باقاعدہ اپنی خلافت پر بعیت لی۔ اور لشکر لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ فریقین مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کسی نے یہ غلط خبر اُڑا دی کہ مقدمتہ الجیش کے افسر قیس بن عبادہ کو مار ڈالا گیا۔ اس خبر نے حضرت امام حسن

رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اضطراب پیدا کردیا۔ اور بجائے تحقیق کرنے کے لشکر میں لوٹ مار شروع ہوگئی اور شرارت پسندوں کی ایک جماعت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں گھُس گئی۔ مختار ثقفی نے ان کے قدم مبارک کے نیچے سے مصلّٰے نماز کھینچ لیا اور ایک شکّی نے جسم سے چادر اُتار لی۔ ایک شخص نے اُن کی ران پر نیزہ مارا۔ مگر اس اثناء میں دوسرے لوگ آگئے۔ اور مفسدوں کو بھگا دیا۔

اس واقعہ سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ترکِ خلافت کا ارادہ کرکے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا، جس کا جواب امیر معاویہ نے یہ دیا کہ "آپ جو شرائط چاہیں لکھ کر بھیج دیں، میں منظور کرلوں گا۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اگست ۶۶۱ء کی ۱۰ تاریخ کو دست بردار ہوئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ تھے۔ اور انہوں نے چھ ماہ خلافت کی۔ اور یہ مُدّت ان تیس سال میں سے ہے جس کی بابت بعض مؤرخین لکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیس سال خلافت رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔

رضی اللہ عنہا

حضرت بی بی زینب کا چوتھا صدمہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور خلافت سے دست برداری نے بظاہر اس فتنہ کو ختم کر دیا جو دس سال سے اسلامی ممالک میں جاری تھا۔ مگر بنو ہاشم میں سے بعض حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ناخوش ہو گئے۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے بھی بھائی کے اس فیصلے کو پسند نہیں کیا بلکہ ان کی عمر میں یہ چوتھا زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ مدینہ اور کوفہ میں انہی کی جدوجہد سے خلافت کی استواری اور استحکام میں غیر معمولی مدد ملی تھی۔ انہیں کے واعظوں سے جو فصاحت و بلاغت کے ساتھ ناقابلِ تردید دلائل سے بھی آراستہ ہوتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا تھا۔ لیکن ادب و احترام کے پیشِ نظر اور انتہاء محبت کی بناء پر ان کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو بھائی کو ناگوار گزرتا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا پر اس کا اثر

امیر معاویہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت امام حسن کی طبیعت امن پسند اور صلح کُل ہے اور یہ بھی وہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ قول دے کر اس سے نہ پھریں گے۔ اور جو کچھ طے کر چکے اب اس میں فرق نہ آئے گا۔ پھر بھی انہیں یہ کھٹکا رہا کہ بنو ہاشم میں سے بعض لوگ اُن کی آڑ میں کوئی فتنہ کھڑا نہ کر دیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخِ شہادت ۱۵ رمضان سنہ ۵۰ھ ہے۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا جس نے تمام عمر بھائیوں سے جدائی گوارا نہ کی اس کے بھائی کی رحلت اس کے لئے کتنا بڑا سانحہ تھا۔ اس وقت حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۵ سال تھی اور یہ پانچواں جانگداز صدمہ تھا جس نے حضرت بی بی زینب کے اعضاء کمزور کر دیئے اور وہ ہر وقت رنجیدہ

اور افسردہ رہنے لگیں۔

امیر معاویہ کی وفات سے قبل

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امیر معاویہ گیارہ سال زندہ رہے اور اس مدت میں متعدد اہم واقعات پیش آئے۔ اُن میں سب سے اہم واقعہ جو حیاتِ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ اپنے سامنے اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنادیں اور اس کے لئے بیعت لی جائے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حاکم بصرہ مغیرہ بن شعبہ نے یزید کے لئے بیعت لینے کا مشورہ امیر معاویہ کو دیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے ۵۶ھ میں حاکم مدینہ کو لکھا کہ یزید کے لئے لکھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جس وقت یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی بہن حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت بی بی زینب نے فرمایا کہ "شورائیت (جمہوریت) کو بادشاہت میں تبدیل کرنا اسلامی اصول نہیں"۔

چنانچہ خلیفہ چہارم کے بیٹے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا۔ خلیفۂ اوّل کے بیٹے عبدالرحمٰن نے مخالفت کی اور کہا کہ کیا ہرقل کی سُنّت جاری کی جائے گی کہ ایک قیصر کے بعد دوسرا قیصر اس کا جانشین ہو گا۔ ہم ایسا نہ ہونے دیں گے۔

امیر معاویہ نے ان کو ایک گراں قدر رقم بھیجی تاکہ وہ مخالفت نہ کریں۔ مگر انہوں نے قبول نہ کی اور کہا میں دُنیا کے بدلے دین نہیں بیچ سکتا۔ اسی طرح خلیفہ دوم کے بیٹے عبداللہ اور حضرت زبیر کے بیٹے عبداللہ نے بھی مخالفت کی۔

امیر معاویہ نے مدینہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ اور دوسرے میں اس تحریک کو جاری رکھا۔ اور مدینہ پہنچ کر یزید کے علم و فضل اور سیاست کا پروپیگنڈہ کیا۔ اہلِ مدینہ نے جواب میں صرف یہ کہا کہ ”حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) وغیرہ مکہ میں ہیں۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو ہم کو بھی تامل نہ ہو گا۔“

یہ سُن کر امیر معاویہ جن کے ساتھ ایک ہزار گھوڑ اسوار مدینہ آئے تھے مکّہ پہنچے اور حج سے فارغ ہو کر مذکورہ بالا اصحاب سے گفتگو کی۔ اور کسی کو رضامند نہ دیکھ کر امیر معاویہ نے ان

اصحاب کی نگرانی پر اپنی محافظ فوج کے آدمیوں کو لگا دیا۔ اور حرم میں داخل ہو کر حاضرین سے کہا کہ:

"اکابرِ مدینہ نے یزید کی بیعت کر
لی ہے، تم لوگ بھی کر لو۔"

چنانچہ سب نے بیعت کر لی اور امیر معاویہ شام چلے گئے۔ امیر معاویہ کی اس کارروائی کا علم جب اصحابِ ثلاثہ کو اور مدینے میں بنو ہاشم کو ہوا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے جو امیر معاویہ کی سیاست کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہی تھیں ایک تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ "امیر معاویہ خلیفہ کے انتخاب میں ان طریقوں سے کام لینا نہیں چاہتے جن سے خلفائے راشدین کے کے انتخاب میں کام لیا گیا تھا۔ بلکہ خلافت کو بادشاہت میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔"

پانچواں باب

واقعۂ کربلا

معرکۂ کربلا سے پہلے

معرکۂ کربلا اسلامی تاریخ کا نہایت دردناک حادثہ اور حیاتِ زینب رضی اللہ عنہا کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ جس کا سبب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے بیٹے یزید کی بیعت سے حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اور یہ انکار اُن کی اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کا باعث ہوا۔

واقعۂ کربلا کا ایک سبب خاندانی عداوت بھی تھی جس کا ذکر ابتدائی صفحات میں کیا جاچکا ہے

اختلافات اور فسادات کے شعلے

مسلمانوں کا آپس کا اختلاف کس

طرح بتدریج ترقی کرتا رہا اور دلی رنجشیں کیسے جڑ پکڑتی رہیں۔ مؤرخین نے ان واقعات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی ذات سے براہِ راست ان واقعات کا تعلق نہیں۔ لیکن انہیں میدانِ کربلا میں اور اس کے بعد جو کچھ دیکھنا پڑا وہ نتیجہ تھا اسی اختلاف اور دلی کدورتوں کا، اور شعلے تھے اسی آگ کے جو منافقوں اور مفسدوں نے برسوں سے لگا رکھی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفاء ثلاثہ

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

۲۔ ابن ابی الحدید کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر فرمائی تھی جس میں کہا تھا "اے ابوبکر رحمت ہو اللہ کی آپ پر، آپ ہی ہیں سب لوگوں میں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔"

۳۔ باغِ فدک اور خلافت کے سلسلہ میں کشف الغمہ میں

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سچّا نہ سمجھے خُدا اُسے دُنیا اور آخرت میں جھوٹا کرے۔

جسٹس سید امیر علی نے لکھا ہے کہ ”جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا تھا، اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کو نامزد کر سکتے تھے“۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر مشورہ کئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد نہیں کیا تھا۔ اپنی جانشینی کے لئے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کا نام تجویز کیا اور سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے پھر حضرت عثمان بن عفّان سے ان کے بعد حضرت سید بن خضیر (رضی اللہ عنہم) سے الگ الگ مشورہ لیا۔ اور تینوں نے حضرت عمر کی تعریف کی۔ اس کے بعد یعنی مشورہ لینے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے لئے وصیت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کو اختیار دے دیا تھا کہ ان میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اور چھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر حضرت عمر کے بیٹے حضرت عبداللہ نہ تھے، وہ رائے دے سکتے تھے مگر خود خلیفہ نہ ہو سکتے تھے۔

(ب) حضرت علی سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کے کیسے تعلقات تھے اور اہلِ بیت کی اُن کی نظر میں کیا وقعت تھی؛ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیّت کی تھی کہ لشکر جمع کر کے عراق روانہ کرنا۔ حضرت عمر نے حج سے واپس آکر لشکر جمع کیا اور ۱۴ھ میں خود اس کی سرداری کر کے اور اپنی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کرنے کے ارادہ سے لشکر لے کر شہر سے نکلے۔ آپ کی تجویز کی سب نے تائید کی۔

مگر حضرت علی نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کو اس وقت مدینہ چھوڑنے سے روکا اور اُن کی عدم موجودگی کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ نہج البلاغۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ ہے جس میں انہوں نے ان الفاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ساتھ جانے سے منع کیا کہ آپ لوگوں کی پناہ گاہ اور ڈھارس ہیں، حضرت عمر نے حضرت علی کا مشورہ مانا۔ اس سلسلہ میں ہسٹری آف دی سراسنز کے مصنف سید امیر علی لکھتے ہیں۔

"حضرت عمر کو حضرت علی (رضی اللہ عنہم) پر بہت اعتماد تھا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس (یروشلم) تشریف

لے گئے تو اپنی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں فوجی نظام درست کیا اور وظائف اور تنخواہوں کا دفتر بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "وظائف کا سلسلہ اپنی ذات سے شروع کیجئے، اس لئے کہ خلیفہ سب سے برتر حق رکھتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "نہیں وظائف کا سلسلہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سے شروع کیجئے اور جو لوگ رسولِ اکرم سے جس قدر قرابت رکھتے ہوں درجہ بہ درجہ ان کے وظائف مقرر کرو"۔ چنانچہ اہلِ بیت کے گراں قدر وظیفے مقرر کئے گئے۔

۴۔ ایران کے بعد یزدگرد کی بیٹی نوشیرواں کی پوتی جہاں شاہ جس کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدل کر شہر بانو رکھ دیا تھا، جب گرفتار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس کے حصہ میں آئیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر بانو کا حضرت امام حسین بن علی سے نکاح کر دیا اور ان کے بطن سے علی بن حسین (امام زین العابدین) پیدا ہوئے۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر معاملات میں حضرت علی

رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کے الفاظ ہیں "لولا علی لھلک"۔ اگر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نہ ہوتے تو عمر (رضی اللہ عنہ) ہلاک ہوگیا ہوتا۔

ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ صالحین کا ذکر کرو تو حضرت عمر کو نہ بھول جاؤ۔ مجھے ان سے زیادہ کوئی شخص عزیز نہیں۔ عمر ارادہ کی پختگی، ہوشمندی اور دلیری سے پُر ہیں"۔

۶۔ جب حضرت علی حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کے جنازہ پر آئے تو فرمایا "مجھے دُنیا میں سب سے عزیز وہ شخص تھا، جو اس کپڑے میں لپٹا ہوا ہے"۔

۷۔ حضرت علی، حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کو اس وقت سے جب وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے، بلکہ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث و کتب سیر و تاریخ میں بیان ہوئی ہے۔

۸۔ سیّدہ اُمِّ کلثوم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی جن کے بطن سے زید و رقیّہ پیدا ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔

۹۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے زمانۂ خلافت میں

ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ گلیوں میں گشت کر رہے تھے مسجد میں تراویح کی روشنی دیکھ کر فرمایا" خدا عمر (رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے جیسا وہ خدا کا گھر روشن کر گیا"۔

۱۰۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مضبوط کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو حصہ لیا اور ان کے فرزندوں حضرت امام حسن و حضرت امام حسین نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کی شہادت سے قبل ان کے گھر پر پہرہ دے کر اور پانی پہنچا کر جس دلی تعلق کا اظہار کیا سابقہ صفحات میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

۱۱۔ نفسیات کی رو سے جن لوگوں کو ناپسند کیا جاتا ہے ان کے نام پر بچّوں کے نام نہیں رکھے جاتے۔ مثلاً شداد، نمرود، قابیل ابوجہل، ابولہب، عتبہ یا شمر خولی، اب کسی مسلمان کا نام نہیں ہوتا۔ مگر جنہیں پسند کیا جاتا ہے، ان کے نام پر بچّوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان سے حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے تعلقات اچھے نہ ہوتے تو حضرت علی اپنے بچّوں کے نام ابوبکر و عثمان نہ رکھتے۔

ان کے ایک لڑکے تھے ابوبکر جو لیلیٰ بنتِ مسعود کے بطن سے تھے۔ ایک عمر تھے جو حلبیہ بنت ربیعہ کے بطن سے تھے اور

ایک عثمان تھے جو اُمّ البنین سے تھے۔ اور یہ تینوں اپنے سوتیلے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

عبداللہ بن سبا

یہ کہنا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بیعت یزید سے انکار اکیلا سبب حادثہ کربلا کا نہ تھا بلکہ اس ایک سبب کی تہہ میں بہت سے اسباب تھے۔

مسلمانوں میں فتنہ و فساد ہوا ہے سنہ ۳۰ھ کے بعد عبداللہ بن سبا کی کوششوں سے۔ مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دینے کا بانی عبداللہ بن سبا صنعانی یہودی تھا۔ بظاہر وہ مسلمان ہو گیا تھا مگر اسلام کو کسی منافق سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا اس اکیلے نومسلم یہودی سے۔ شجرِ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی نیّت ہی سے وہ بہ ظاہر مسلمان ہوا تھا۔ اسلام میں بے شمار فرقے اُسی کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

بنی ہاشم اور بنی اُمّیہ کی عداوت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ختم کر دی تھی۔ مدینہ، بصرہ، کوفہ، قاہرہ اور دمشق جہاں جہاں موقع ملا عبداللہ بن سبا گیا۔ بظاہر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت میں پروپیگنڈہ کرتا رہا مگر حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ کی شہادت میں اس کا ہاتھ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانۂ خلافت میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن کی تہہ میں یہی نومسلم یہودی تھا۔ جنگِ جمل، جنگِ صفین شعلے تھے اسی آگ کے جن کی چنگاری اس منافق نومسلم نے بھڑکا رکھی تھی۔

مصنف قول حق لکھتے ہیں ”اس یہودی منافق نے قبائلی عصبیت، نسلی امتیاز اور خاندانی مخالفتوں کو پیدا کیا۔ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی زبردست جماعت بنا دی تھی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت اور طرف داری کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی فوج میں شامل ہوئی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کبھی نہیں کی۔ ہمیشہ عین وقت پر دھوکا دیتے اور ان کے بنے ہوئے کاموں کو بگاڑتے رہے۔

عبداللہ بن سبا اور ان کی جماعت نے قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موقع دیا، نہ انتظامِ ملکی کی طرف متوجہ ہونے کا۔ یہی جماعت تھی جس نے جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

کامیابی حاصل کرنے سے روکا۔ پھر اسی جماعت نے جو خود اصرار کر کے جنگ ملتوی کروا چکی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جنگ ملتوی کرنے کا الزام لگا کر لوگوں کو اُن کی مخالفت پر آمادہ کیا۔

پھر یہی جماعت خوارج کا نام پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صف آراء اور بالآخر ان کی شہادت کا موجب ہوئی۔

پھر اسی جماعت نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بدنظمی پیدا کی۔

یہی جماعت تھی جس نے کوفہ بصرہ وغیرہ لشکری مقامات میں اپنی شکار گاہ اور عراق و فارس کو جائے پناہ بنا کر اُمویوں اور ہاشمیوں کو عداوت اور لڑائیوں کا سامان مہیا کیا۔

امیر معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی

مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولی عہدی کی امیر معاویہ کو ترغیب دی اور امیر معاویہ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو کر میرے خاندان میں موروثی ہو جائے اور انتخاب کا جھگڑا ہی نہ رہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ

نے مسلمانوں میں ایک ایسی رسم جاری ہونے کا موقع پیدا کر دیا جس سے مشورہ جاتا رہا۔ اور باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے لگا۔ دورِ حاضر کے ایک مشہور مصری مؤرخ کے الفاظ میں "امیر معاویہ نے اس نظام کو ختم کر دیا جس کی بنیاد پر خلفائے راشدین کا انتخاب ہوا"۔

رجب سنہ ۶۰ھ (مطابق اپریل سنہ ۶۸۰ء) میں جب ۷۷ سال کی عمر میں امیر معاویہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ بلکہ ضحاک بن قیس الفہری اور مسلم ابن عقبہ المری کو بلا کر یہ حکم دیا کہ وہ یزید کو پیغام دیں۔ یزید اس وقت حوران میں تھا جب وہ دمشق پہنچا تو امیر معاویہ کو دفن کیا جا چکا تھا۔ امیر معاویہ کی تاریخ وفات جمعرات ۲۲ رجب ہے۔ امیر معاویہ نے چالیس سال تک حکومت کی۔ بیس سال سے کچھ اُوپر صوبہ کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے اور باقی بیس سال بادشاہ کی حیثیت سے۔

اپریل سنہ ۶۸ھ میں جب ۳۴ سال کی عمر میں حکومت کی باگ یزید کے ہاتھوں میں آئی تو اس نے سب سے پہلے مروان بن حکم کو جو مدینہ کا حاکم تھا علیحدہ کر کے اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ ابن ابوسفیان کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔

یزید کو جب معلوم ہوا کہ انہیں بیعت سے انکار ہے تو اس

نے بڑا لشکر مقابلہ کے لئے بھیجا مگر اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لشکر سے شکست کھائی۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا شوہر سے اجازت طلب کرنا اور مدینہ سے روانگی

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت پر لعنت بھیجی اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ اُن کے تمام عزیز اُن کے ساتھ مکہ چلیں تاکہ ان کی عدم موجودگی میں کسی عزیز پر آنچ نہ آئے۔ مگر بعض عزیزوں، بالخصوص محمد بن حنیفہ اور عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بلکہ سفر کی بھی سخت مخالفت کی۔

لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا عزم غیر متزلزل تھا۔ ادھر بھائیوں نے مخالفت کی تو ادھر بہن کے لئے جس نے تمام عمر شوہر کی خوشنودی حاصل کی ناممکن تھا کہ شوہر رضامندی کے بغیر بھائی کے ساتھ روانہ ہوا۔ چنانچہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ

نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی، حضرت عبداللہ بن جعفر نے آپ کو اس سفر سے منع کیا تو حضرت زینب نے کہا "میرے بھائی کا دنیا میں کوئی رفیق نہ رہا۔ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی ہے۔ میں اس حالت میں اپنے بھائی کو کس طرح اکیلا چھوڑ دوں۔

تمہاری اطاعت میرا فرض ہے لیکن اگر میں حضرت امام حسین کے ساتھ نہ گئی تو میں اُن کی جدائی کا صدمہ نہ سہہ سکوں گی" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "بنتِ مرتضٰی! تم اپنا دل بھاری نہ کرو، تمہاری یہی خواہش ہے تو خیر چلی جاؤ۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مع اہلِ بیت ۲۵ رجب سنہ ۶۰ھ مطابق ۳ مئی سنہ ۶۸۰ء ہفتہ کی شب کو مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ چھوٹی بچی صغریٰ بیمار تھیں انہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑا۔ ۳ شعبان مطابق ۹ مئی بدھ کی رات کو مکہ مکہ پہنچ کر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت نے شعب ابی طالب میں قیام کیا۔

کوفیوں کے خطوط اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا مشورہ

حضرت مسلم اور ان کے بچّوں کی شہادت

معاویہ کے بعد جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا، تو اہلِ عراق نے چاہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے کسی کو خلیفہ بنائیں۔ اس لئے جس حاکم کو یزید نے کوفہ بھیجا تھا اسے انہوں نے نکال دیا۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجے کہ آپ کوفہ آکر خلافت سنبھالئے۔''

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزیدی لشکر کو چوں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لشکر سے شکست ہوئی تھی، اس لئے کوفہ والوں کو جو یزید کو پسند نہ کرتے تھے۔ حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھے کہ ہم بنو اُمّیہ کے مخالف اور آپ کے والد بزرگوار کے شیدائی ہیں۔ ہم نے جنگِ صفین میں شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ آپ فوراً یہاں آجائیں تاکہ ہم یہاں کے عامل نعمان بن بشیر کو قتل کر کے کوفہ آپ کے سپرد کر دیں۔

کوفہ اور عراق کی ایک لاکھ سپاہ سب کی سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہے۔ کیوں کہ صرف آپ حقدار خلافت ہیں۔ ہم سب آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار ہیں آپ یہاں جلد آجائیے تاکہ آپ کو خلیفہ بنا کر یزید سے نجات پائیں۔ کوفہ سے خطوط سب سے پہلے ۱۰ رمضان کو آئے تھے۔

کُل خطوط کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بہر حال کم سے کم ڈیڑھ سو بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سخت اصرار تھا کہ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیں، سارا کوفہ آپ کے ساتھ ہے۔

اہلِ مکہ میں چند سیدھے سادے مسلمانوں نے آپ کے کوفہ جانے کی تجویز سے اتفاق کیا، مگر بہت سے حضرات نے شدید مخالفت کی۔ سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھایا کہ آپ کوفہ نہ جائیے یہ لوگ قابلِ اعتماد نہیں۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے بھائی کو متفکر اور پریشان دیکھ کر فرمایا۔ "کوفہ والوں کی بات کا ہرگز بھروسہ نہیں، انہی لوگوں نے باباجان اور بھائی جان کے ساتھ غداری کی تھی۔"

جب خطوط کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب پہنچ گئی تو یہ فرمایا۔

"بھیا تم نہ جاؤ کہیں پھر کوفیوں کے دل میں کھوٹ

نہ ہو۔ اور یہ خطوط اوپری دل سے نہ لکھے گئے ہوں۔ پہلے بھائی مسلم کو بھیج کر دیکھ لو کہ اُن کے دل میں خلوص ہے یا یہ سب اوپری باتیں ہیں"۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صلاح پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مشورہ لیا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت مسلم بن عقیل کو جو حضرت امام حسین کے چچازاد بھائی تھے، بھیج کر دیکھ لیا جائے چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نائب مقرر کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ بھیج دیا اور کوفہ والوں نے بیعت شروع کی اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس حقیقت سے حضرت مسلم نے حضرت امام حسین کو آگاہ کر کے لکھا کہ " اب آپ یہاں آنے میں مزید تاخیر نہ کریں۔ بے شک سارا کوفہ آپ کے ساتھ ہے"۔

خط روانہ کرنے کے بعد ہانی کے مکان پر (یہ وہ ہانی تھے جن کی والدہ اُمّ ہانی ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں)۔ جہاں اُن کا قیام تھا، حضرت مسلم نے ایک جلسہ کیا جس میں کم و بیش ایک لاکھ کوفیوں نے حلفیہ اقرار کیا کہ ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پہ جانیں قربان کر دیں گے"۔ بلکہ پچاس

آدمیوں کا ایک وفد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے ساتھ انہیں لائیں۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے خط اور کوفیوں کے اس قدر شدید اصرار بعد اب اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یزید کو جب کوفہ کی خبریں پہنچیں تو اس نے حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عامل بصرہ عبید اللہ ابنِ زیاد کو جو اس کا چچازاد بھائی تھا اور جس کی عمر اس وقت ۳۲ سال تھی، کوفہ کا حاکم مقرر کر کے روانہ کر دیا۔

جو قاصد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خط کوفیوں کے لئے لایا تھا وہ پکڑا گیا اور بصرہ پہنچ کر عبید ابنِ زیاد نے سب سے پہلے اس کی گردن اُڑائی، اس کے بعد کوفہ پہنچا۔ ایک تقریر کی اور کہا (حسین رضی اللہ عنہ) ایک مفلس اور بے یار و مددگار آدمی ہیں۔ ان کے پاس لشکر ہے نہ خزانہ۔ وہ یزید جیسے زبردست بادشاہ کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں عبید اللہ ہوں۔ جس کے ارادہ کو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔ اس باپ کا بیٹا ہوں جس کی شجاعت اور جانبازی سے تم لوگ خوب واقف ہو۔ میں

حسین رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح بتادوں گا کہ بغاوت کسے کہتے ہیں۔ مجھے تم سب کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ اگر راہِ راست پر نہ آئے اور کسی نے بھی نافرمانی کی تو کوفہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ مسلم کو میرے حوالے کرو اور اطمینان سے زندگی گزارو۔"

عبیداللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلم ہانی بن عروہ مرادی کے ہاں مقیم ہیں۔ پھر بھی اس نے احتیاطاً اپنے ایک غلام کو قاصد کے کپڑے پہنا کر ہانی کے گھر اس حیلہ سے بھیجا کہ "بصرہ سے امام حسین رضی اللہ عنہ کا نذرانہ اور بیعت کا حلف لے کر آیا ہوں"۔ ہانی کے مکان پر حضرت مسلم کی ملاقات کا حال غلام نے آکر بیان کیا تو عبیداللہ ابنِ زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسی وقت ہانی کو بلا کر اپنا عصا اس زور سے مارا کہ ہانی کی ناک کا بالسہ ٹوٹ گیا۔

حضرت مسلم کو جب معلوم ہوا تو وہ تلوار لے کر ہانی کے انتقام کے لئے باہر نکلے۔ چار پانچ ہزار کوفی ان کے ساتھ تھے۔ مگر قلعہ کے دروازہ سے اس زور کی تیر اندازی ہوئی کہ سب بھاگ گئے اور اب حضرتِ مسلم رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے اور ایک طرف چل دیئے۔ راستہ میں ایک عورت ملی اور وہ انہیں اپنے

ہاں لے آئی اور مہمان کی خاطر و مدارت کی۔ صبح کو اس کے بیٹے نے انعام کے لالچ میں ابنِ زیاد کو جا کر خبر کی حضرت مسلم رضی اللہ عنہ گرفتار کر لئے گئے اور عبید اللہ کے حکم سے ہانی اور مسلم کے سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیئے گئے۔ یہ ذی الحجہ کی تیسری تاریخ تھی۔

دوسرے دن ابنِ زیاد نے اعلان کیا کہ "مسلم کے بچّوں کو جو شخص گرفتار کر کے لائے گا اُسے مالا مال کر دُوں گا"۔ محمد اور ابراہیم حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے آٹھ اور چھ سال کے دونوں بچے ایک سچّے مسلمان کے ہاں مہمان تھے۔ اُس نے انہیں آدھی رات کے وقت قادسیہ کی سڑک پر چھوڑ دیا کہ مدینے چلے جائیں۔ چلتے چلتے بھُول سے بچّوں کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تو صبح کے وقت ایک درخت کے تنے میں چھُپ کر بیٹھ گئے۔ کنارۂ دریا پر ایک عورت پانی لینے آئی تو اس کی نظر ان معصوموں پر پڑی۔ پیار و محبت سے انہیں گھر لائی اور گھر کی بیگم سے کہا کہ "یہ عقیل کے ماہ پارے تمہارے مہمان ہیں"۔

گھر کی بیگم نے انہیں کلیجہ سے چمٹا لیا اور نہلا دُھلا کر کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا۔ شام کو اس کا شوہر حارث گھر آیا تو اس فکر میں غرق تھا کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے بچّوں کا پتہ لگ جائے اور

مالامال ہو جاؤں۔

رات کے اندھیرے میں دونوں بھائی ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے سو رہے تھے کہ چھوٹے بھائی نے خواب میں باپ کی صورت دیکھی اور رو کر اور چلّا کر کہا "ابّا ابّا!" حارث نے یہ آواز سُنی، کوٹھری میں آیا۔ بچّوں کو دیکھا، اُن کے نام پوچھے۔ اور جب یہ سُنا کہ یہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے بچے ہیں تو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ اور صبح ہوتے ہی کنارۂ دریا پر لے کر پہنچا اور کہا، "مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

اس وقت محمد نے کہا، "پہلے میری گردن اُڑا دے تاکہ میں ابراہیم کی موت نہ دیکھوں"۔

ابراہیم نے بھی یہی کہا مگر حارث کو جو صاحبِ اولاد تھا، رحم نہ آیا اور دونوں بے گناہ معصوموں کی گردنیں اُڑا دیں۔

مکّہ سے روانگی

حضرت امام حسین، حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہم کی شہادت سے بے خبر تھے کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا قاصد عبید اللہ بن سنان مکّہ پہنچا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا خط پیش کیا۔ کوفہ والوں کی

عقیدت کا حال معلوم ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے روانگی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، اور چھوٹے بھائی محمد حنیفہ (رضی اللہ عنہم) نے سخت مخالفت کی تھی۔

اب مکہ سے سفر کی تیاری شروع کی تو سب سے پہلے محمد بن عبدالرحمٰن بن حرث رضی اللہ عنہ نے کہا "اہلِ کوفہ بد عہد لوگ ہیں، وعدے بہت کرتے ہیں مگر پورے نہیں کرتے"۔

پھر عمر ابن عبدالرحمٰن بن ہشام نے کہا۔ "جن لوگوں نے مدد دینے کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے"۔ ان کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا "کوفیوں کا اعتبار نہ کیجئے یہ وہی لوگ ہیں جن کا ہاتھ آپ کے باپ اور بھائی کی شہادت میں تھا"۔ انہوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ مکہ میں آپ خلافت کی کوشش کریں، اور اپنے تعاون کا بھی یقین دلایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے بھی متزلزل نہ ہوا۔ عبداللہ بن عباس حضرت علی کے رشتہ سے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) کے چچا تھے اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے سے نانا۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے عمر میں ۸ ـ ۹ سال بڑے

اور بزرگ خاندان تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں نے بلایا ہے اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہونے والے ہیں تو امام طبری نے لکھا ہے کہ:

"عبداللہ بن عباس نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) کی روانگی کا ذکر سُنا تو اُن کے پاس آئے اور کہا اے ابنِ عم، لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی جانب روانہ ہونے کو ہو، ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا ارادہ کر رہے ہو"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے روانگی کا مصمم ارادہ ظاہر فرمایا تو عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا۔

"پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو (تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ لے کر نہ جاؤ۔ بخدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "زندگی کے آخری دور میں مَیں اپنے عزیزوں سے جُدا نہیں رہ سکتا"۔ وہ اتنا ہی جواب دینے پائے تھے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نے جو پسِ پردہ گفتگو سُن رہی تھیں فرمایا۔

"ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) آپ ہمارے بزرگ ہیں اور بھیا کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ ہم کو چھوڑ کر تنہا چلے جائیں۔ نہیں ابنِ عباس! ایسا نہیں ہو سکتا۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی بیٹی اپنے بھائی کو تنہا نہ جانے دے گی"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ میں یہ بھی کہا تھا کہ "مجھے سلطنت کی خواہش ہے نہ میں بیعت لینا چاہتا ہوں، لیکن یزید کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتا"۔ آپ نے یہ بھی کہا "میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو اور مسلمانوں کا خون بہایا جائے"۔

ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کی آٹھویں تاریخ تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مع اہلِ بیت و معتقدین جن کی تعداد ۲۰۰ کے قریب تھی۔ مکہ میں چار ماہ قیام کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگر حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد حصولِ سلطنت ہوتا اور جنگ کے ارادہ سے روانہ ہوتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر نہ جاتے۔

مکہ سے روانہ ہوئے تو بعض مؤرخین لکھ رہے ہیں کہ

"عمرو بن سعید ابن العاص نے جو یزید کی طرف سے حجاز کے امیر تھے اپنے بھائی یحییٰ کے ساتھ چند سوار بھیجے جو راستہ میں ملے، انہوں نے آگے جانے سے روکا۔ لڑائی ہوئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہی غالب رہے۔

راستہ میں عون و محمد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے مل گئے جن کو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو ایک خط بھی لکھا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "آپ واپس ہو جائیں، جس جانب آپ جا رہے ہیں، میں اُس کو آپ کے حق میں بہتر نہیں سمجھتا۔ ممکن ہے یہ راہ آپ کے لئے خطرناک ثابت ہو۔ اور آپ کی اور اہلبیت کی جانیں ضائع ہوں۔ اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ کیونکہ آپ سمجھدار لوگوں کے علم اور مومنین کی اُمید گاہ ہیں"۔

راستہ میں فرزوق شاعر ملا، اُس نے کہا۔ "کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ۔"

زمالہ کے مقام پر مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ملی۔ یہ سُن کر خاندانِ عقیل نے کہا۔ "ہم

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لئے بغیر واپس نہ ہوں گے"۔
مقاتل الطالبین میں ہے فرزندانِ عقیل نے کہا" واللہ ہم لوگ واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب اپنی جانیں دے ڈالیں گے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا" آپ لوگ اپنے اپنے گھر واپس جائیں۔ آپ کی محبت اور عقیدت کا بدلہ دینے کے قابل میں نہیں ہوں۔ میری وجہ سے آپ لوگ اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالیں اور یقین کر لیں کہ آپ لوگوں کی واپسی میری خوشی کا باعث ہوگی۔ میں پھر آپ سب کی محبت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مصائب و تکالیف سے محفوظ رکھے۔ میری یہی خواہش ہے کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں"۔

مختلف منازل سے اور مکہ کی روانگی کے وقت جو لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، اس تقریر کے بعد ان میں سے بہت سے واپس چلے اور اہلبیت سمیت صرف اسّی (۸۰) آدمی رہ گئے۔ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگے بڑھے۔

محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مع اہلبیت اور رفقاء کوفہ سے شمال مغرب ۹۰ میل کے

فاصلہ پر کربلا کے میدان میں داخل ہوئے اور دریائے فرات کے مغربی کنارے نشیب کی طرف خیمہ لگانے کی ہدایت فرمائی۔ اِدھر حسینی قافلے کے خیمے لگائے جارہے تھے کہ اُدھر سے ابنِ زیاد کی بھیجی ہوئی فوج آنی شروع ہوئی۔ حُر بن ریاحی جو سرات کے مقام پر ملے تھے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہیں اس فوج کے سپہ سالار عمرو بن سعد بن ابی وقاص نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ دے کر سب سے پہلے روانہ کر دیا تھا۔

انہوں نے عرض کیا: ”یا ابنِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بھیجا تو اِس غرض کے لئے گیا تھا کہ میں آپ کے گرد حلقہ ڈال کر آپ کو کہیں جانے نہ دُوں مگر ٹوٹ جائیں یہ پاؤں جواب اس قصد سے آگے بڑھیں۔ یا ابنِ رسول! میری جان آپ پر قربان، جس طرف جی چاہے آپ تشریف لے جائیے، کس کی مجال ہے جو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے۔“

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حُر کے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا: ”میرے بے قصور بھائی مسلم اور ان کے بچّوں کو ابنِ زیاد نے شہید کر ڈالا۔ بھائی مسلم کی بچّی اور دوسرے افراد خاندان میرے ساتھ ہیں اور آج تک بے گناہوں کی شہادت

پر اُن کی آنکھ سے آنسو نہیں تھمتا۔ ایسی حالت میں میری واپسی ممکن نہیں۔ اور مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میری وجہ سے تم کسی مُصیبت میں گرفتار ہو۔ البتہ میری یہ تین خواہشیں ابنِ زیاد تک پہنچا دو:"

۱۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں مکہ یا مدینہ چلا جاؤں گا۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو،

۲۔ میں کسی سرحد کی طرف نکل جاؤں اور کُفّار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ یہ بھی منظور نہ ہو تو

۳۔ میرا راستہ چھوڑ دو اور جانے دو۔ میں دمشق جا کر خود یزید سے گفتگو کروں، جس طرح میرے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ سے معاملہ طے کر لیا تھا۔"

عمرو بن سعد کو یہ بھی کہلوایا کہ "تمہیں شرائطِ صلح طے کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت سے انکار ہے تو قتل کر دو۔" اگر تم کو اس حکم کی تعمیل سے تامل ہو

تو تمہاری جگہ شمر کو مقرر کیا جاتا ہے"۔

اِدھر قاصد یہ حکم عمرو سعد کے پاس لایا اُدھر شمر ذی الجوشن نے ابنِ زیاد کی ہدایت کے بموجب نہرِ فرات پر قبضہ کر لیا تاکہ پانی کی ایک بوند بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں نہ جا سکے۔ شمر نے فرات پر پانچ سو سوار تعینات کئے تھے۔

محرم کی نویں تاریخ تھی، تیسرے پہر کا وقت تھا کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ قاصد حاضر ہوا اور کہا "ابنِ زیاد کا حکم ہے کہ یا تو فوراً بیعت کیجئے، ورنہ لڑائی شروع کیجئے، تیسری صورت ناممکن ہے"۔ آفتاب نے فرمایا "آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ یہ لڑائی کا وقت نہیں ہے۔ رات بھر کی مہلت دو، صبح اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لینا"۔

محرم کی یہ رات جو شبِ عاشورہ کہلاتی ہے قیامت کی رات تھی۔ وطن سے سینکڑوں کوس دُور، دانہ پانی دو دن سے بند۔ اعداء کا عظیم لشکر ننگی تلواریں لئے ہوئے۔ پاؤں تلے کی چیونٹی جان کی دشمن۔ اور دشمن کا ہر آدمی خون کا پیاسا۔ زمین پر فرات کے کنارے نہیں مگر آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور دمکتے ہوئے ستارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کو اس

حال میں دیکھ کر رو رہے تھے۔ اور ان کے اسلام پر مرحبا کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ چاندنی کی چادر میدانِ کربلا پر بچھی ہوئی تھی اور رات ایک تہائی سے زیادہ ختم ہو چکی تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے خیمے میں آئے۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ بہن ٹہل رہی ہے اور کسی فکر میں غرق ہے۔

فرمایا "زینب (رضی اللہ عنہا) کیا سوچ رہی ہو فکر مند معلوم ہوتی ہو۔" جواب دیا "بھائی! فکر یہ ہے، سوچ یہ رہی ہوں اور پریشان ہوں اس خیال سے کہ کل کیا ہوگا۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "پریشانی کی کیا بات ہے جو تم کہو گی وہ ہوگا۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جواب ایک طرف یہ ثابت کر رہا ہے کہ اُن کو بہن سے بے حد محبت اور ان کی خاطر ہر حال میں منظور تھی، وہاں یہ بھی بتا رہا ہے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی رائے ان کی نظر میں کس قدر اہم اور وزن دار ہوتی تھی۔

بہن نے جواب دیا "حسین (رضی اللہ عنہ) جو خون تمہارے جسم میں دوڑ رہا ہے وہی زینب (رضی اللہ عنہا) کی رگوں میں بھی ہے۔ ہم نے باغیچۂ اسلام کو

اپنے خون سے سینچنے کے لئے سینکڑوں میل کی مسافت طے کی ہے۔ آج دو روز سے اس طرح سورج طلوع ہو رہا ہے اور ڈوب رہا ہے، چاند نکل رہا ہے اور چھپ رہا ہے کہ ہمارے حلق میں پانی کی ایک بوند نہیں گئی، جس مقصد کے لئے ہم نے سفر کی زحمتیں اٹھائیں، کربلا کی مصیبتیں گوارا کیں وہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں اس کا فکر ہے، کل کیا ہوگا؟ یہ سوچ رہی ہوں"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا "زینب (رضی اللہ عنہا) کل جنگ ہوگی، جنگ!"

غصہ سے تمتمائے ہوئے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں اور سیّدہ کی بیٹی نے کہا "ہاں بھائی جنگ ہوگی اور ضرور ہوگی اور ایسی جنگ ہوگی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جرأت و ہمت، حسین (رضی اللہ عنہ) کے ایثار اور حق پرستی پر ساری دنیا دنگ رہ جائے گی"۔

شبِ عاشورہ کا بڑا حصہ حضرت بی بی زینب اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہما) کی عبادت اور مناجات میں گزارا اور حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی صدائے اللہ اکبر نے صبح عاشورہ

کا اعلان کیا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے یوں مخاطب ہوئے :

"آپ حضرات کا شکریہ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا اور نہ میں اس قابل ہوں کہ آپ کی رفاقت اور عنایت کا کوئی معاوضہ ادا کر سکوں۔ مگر میری رائے پھر یہی ہے کہ آپ لوگ میری وجہ سے اپنے بچّوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ نہ بنائیں اور جان بوجھ کر موت کے مُنہ میں نہ جائیں۔ اس لشکر سے ہم گنتی کے چند افراد کیا مقابلہ کر سکتے ہیں اور کتنی دیر لڑ سکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے اور میری خوشی بھی یہی ہے کہ آپ صاحبان اپنے گھر واپس چلے جائیں اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دیں"۔

یہ سُن کر رفقائے امام کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہا "جب کربلا کے میدان میں آگئے ہیں تو اب ہم زندہ واپس نہیں جا سکتے۔ ہم سب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ پر جان و دل سے قربان ہوں گے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُن کے لئے دُعا کی اور

خیمہ سے باہر آئے اور کہا۔

"کوفیو! تم نے مجھے دھوکا اور فریب سے بلایا اور حرمِ خدا اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا کیا اور اب تم لوگ مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو۔ کیوں کوفیو! اپنے مہمانوں کے ساتھ جنہیں خط پر خط لکھ کر اصرار سے بلایا جائے ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے"؟

اس کا کوئی جواب نہ ملا تو حُر بن ریاحی آگے بڑھے اور عمرو سعد کی فوج سے کہا "وہ حُر جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھیرنے کے لئے بھیجا گیا تھا سب سے پہلے دوشِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوار پر قربان ہوتا ہے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی سب ملا کر صرف بہتّر (۷۲) تھے۔ ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل۔ ابنِ زیاد کی بھیجی ہوئی فوج چار ہزار تھی اور یہ سب عراقی تھے۔

اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے خطوط بھیج کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا تھا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حُر نے میدان میں آکر عمرو بن سعد کی فوج کو للکارا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اب پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عمرو سعد کی فوج کو سمجھایا کہ "دنیا کی چند روزہ عارضی خوشی پر

پھول اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول کر کیوں عاقبت خراب کرتے اور مسلمان ہو کر کیوں مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگتے ہو۔

مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ ان کے لشکر سے دو غلام آگے بڑھے۔ ان کے مقابلہ کے لئے عبداللہ وہب کلبی آئے اور دونوں کی گردنیں اڑا دیں۔ ان میں ایک شخص سالم تھا۔ اس نے کلبی پر حملہ کر کے جب ان کی انگلیاں شہید کر دیں تو کلبی کی بیوی اُمِّ وہب ایک گز رلے کر نکلیں۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر لوٹا دیا "خدا تمہیں جزائے خیر دے عورتوں پر جہاد واجب نہیں"۔

اس کے بعد دو گھنٹے تک لڑائی ہوتی رہی اور بھوکے پیاسے رفقہائے امام حسین (رضی اللہ عنہم) شہادت اور عقیدت کے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے۔ اب حُر نکلے اور دو شخصوں کو قتل کرتے ہوئے لشکر میں گھس گئے۔ مگر تیروں کی بوچھاڑ میں شہید ہوئے۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان میں جانے کے لئے تیار ہونے لگے تو ان کے ساتھیوں نے عرض کیا "یہ ناممکن ہے کہ ہماری

موجودگی میں ابنِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میدان میں جائیں"۔
آپ نے پھر فرمایا۔" میری وجہ سے آپ لوگ اپنی جانیں نہ دیں۔ سارا جھگڑا میرا ہے اس لئے میں ہی جاتا ہوں"۔ جب سب نے شوقِ شہادت ظاہر فرمایا تو آپ خاموش ہو گئے۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کے بعد یزید بن حصین، پھر عمر بن خالد، مسلم بن اسدی، بلال بن نافع، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، محمد بن مسلم، حضرت عقیل کے چاروں بیٹے (حضرت جعفر، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عبداللہ، حضرت موسیٰ، حضرت احمد بن حسن، حضرت ابوبکر عبداللہ بن حسن بن علی، عمرو بن حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن حسن بن علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور حضرت امام کے دوسرے ساتھی اور اعزا ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ اس کے بعد ان کے سوتیلے بھائی ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہ (لیلیٰ بنت مسعود کے لڑکے) پھر عمر بن علی۔ پھر اُمّ البنین کے چھوٹے بیٹے عثمان بن علی، پھر حضرت جعفر بن علی (رضی اللہ عنہم) شہید ہوئے، اب دوپہر ہو چکی تھی اور مردوں میں چھوٹے بڑے ملا کر صرف سات عزیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ باقی تھے۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی قربانی

دن آدھے کے قریب گزر چکا تھا۔ زمین انگارے اُگل رہی تھی اور آسمان آگ برسا رہا تھا۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے نیچی نظریں کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"مجھے خبر نہ تھی کہ میرے بھائی پر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ بے گھر بے در ہو کر غریب الوطنی میں دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا ہو گا۔ اور ہزاروں تلواریں اس کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے میدان سے باہر ہوں گی۔ تمہارے لئے بچ نکلنے کے ایک دو نہیں متعدد موقعے آئے مگر اللہ کا شکر ہے تمہارا قدم نہ ڈگمگایا۔ فانی خوشیوں کے مقابلے میں نفس کو کچل کر ایمان کی صدا پر لبیک کہی۔ راحت ابدی کو پسند کیا۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی اور خلافت کے لئے نہیں صداقت کے لئے سر کٹوانا ہنسی خوشی منظور کیا۔ لیکن بھیّا! جس دل کو ساری عمر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی خاطر منظور رہی وہ کس طرح گوارا کر

سکتا ہے کہ تمہاری قربانی میں تمہاری بہن کو کچھ حصہ نہ ملے۔

میرے پاس اس پردیس میں کچھ بھی نہیں جو اپنے بھائی کا صدقہ دُوں۔ ردِّ بلا کے لئے یہ دو بچّے عون و محمّد حاضر ہیں بھیّا انہیں قبول کرو اور جنگ کی اجازت دو۔ یہ بچّے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر ماموں پر قربان ہو کر نانی کے سامنے ماں کو سرخرو ضرور کر سکتے ہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بہن کی پُشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

"زینب (رضی اللہ عنہا) میرے زخموں پر نمک نہ چھڑک۔ یہ چاند سے مُکھڑے، اس قابل نہیں کہ ماموں انہیں خون میں نہلوا کر خاک میں ملا دے۔ ان کے دن کھیلنے کُودنے کے ہیں۔ بھائی کی خاطر ساری عمر قربانیاں کرتی رہی۔ اب رحم کر اور ایسی بات نہ کہہ جس سے کلیجہ شق ہو جائے حسین (رضی اللہ عنہ) انسان ہے پتھّر نہیں۔"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے بھائی کے گلے میں باہنیں ڈال دیں اور فرمایا۔

"بھیا! ساری عمر میری بات نہ ٹالی، آج پردیس

میں بے کس اور بے بس زینب (رضی اللہ عنہا) کی نذر قبول کرنے سے انکار کر رہے ہو اور اس کا دل توڑ رہے ہو! ذرا دیکھو تو دونوں میدان میں جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ اور اجازت کے منتظر ہیں"۔

اتنا سنتے ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لال سر جھکائے ماموں کے سامنے آئے اور عون نے کہا "ماموں جان! آپ ہم سے ناراض ہیں جب ہی تو ہمیں اجازت نہیں دیتے، ہم نے کوئی خطا کی ہو تو معاف کر دیجئے۔ ہم دشمنوں کو بہادری دکھلانے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں، جلدی اجازت دیجئے کہ ہم اُن کو اچھی طرح مزہ چکھا دیں"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بچّوں کو کلیجہ سے لگایا۔ اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"بچّوں کی زبان سے اُن کا شوق شہادت معلوم ہونے کے بعد بھیّا! اب تو انکار نہ کرو۔ اگر تم نے میری یہ درخواست رد کر دی تو قیامت کے دن ماں کو مُنہ نہ دکھا سکوں گی۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے دُودھ اور علی (رضی اللہ عنہ) کے خون کا واسطہ

حسین (رضی اللہ عنہ) زینب کی نذر قبول کر لو"۔
حضرت امام حسین کی ہچکی بندھ گئی اور فرمایا۔" اچھا زینب (رضی اللہ عنہا) تیری یہی خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے"۔

اجازت کا لفظ سُن کر بچّوں کے مُرجھائے ہوئے چہرے کِھل گئے اور خوشی سے دونوں ماں سے چمٹ گئے۔ حضرت بی بی زینب دونوں کو پیار کرتی اور روتی رہیں۔ پھر کھڑی ہوئیں انہیں لڑائی کے کپڑے پہنائے اور ہتھیاروں سے آراستہ کر کے فرمایا:

"پیارے بچّو! معاف کرنا کہ تمہاری ماں تمہیں ذبح ہونے کے لئے قصائیوں میں بھیج رہی ہے۔ سارے جہاں کی مائیں اپنے بچّوں کی اللہ آمین کرتی اور دُلہن لانے کے دُولہا بناتی ہیں۔ مگر عون و محمد کی ماں نے اپنے بچّوں کو سر کٹوانے کے لئے دولہا بنایا ہے۔ سر دینے مگر بات رکھنے کے لئے جانیں قربان کرنے مگر ناموسِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہاتھ سے نہ دینے کے لئے دو کیا اگر سات بیٹے بھی ہوتے تو ناناجان کے مذہب اور

حسین (رضی اللہ عنہ) جیسے بھائی پر قربان کر دیتی"۔

اچھا پیارے بچو جاؤ، رخصت، الفراق، الوداع"۔

عون و محمد میدانِ جنگ میں پہنچے تو شمر نے قہقہہ مار کر کہا "بس حسین (رضی اللہ عنہ) کے سب حمایتی ختم ہو چکے اور اب یہ نوبت آگئی کہ بچے آرہے ہیں"۔

عون نے کہا "چپ گستاخ! ہم بچے ضرور ہیں مگر تم جیسے بڑوں کو جہنم میں پہنچا سکتے ہیں"۔

شمر نے کہا "اوہو، یہ زور ہے، تم زینب (رضی اللہ عنہا) کے بچے معلوم ہوتے ہو۔ آؤ ہماری طرف آجاؤ۔ مزے سے رہنا سہنا۔ کیوں خواہ مخواہ ماموں کی ضد میں اپنی جانیں گنواتے ہو"۔

اس پر عون نے کہا "بس خاموش ہو جاؤ اور لے اب دیکھ"۔ یہ کہہ کر ایک طرف سے عون اور دوسری طرف سے محمد نے حملہ کیا مگر بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ عمر و سعد کے لشکر نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دونوں لال خون میں لال کر دیئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں لائے اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے کہا "لو زینب تمہارے بچے ماموں پر قربان ہو گئے، تمہاری یہی خواہش تھی، وہ پوری ہوئی"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا "میری کمائی نیک لگی اور اب میں امّاں سے شرمندہ نہ ہوں گی کہ میں نے اُن کی وصیت کو ذہن میں محفوظ نہ رکھا اور قیامت کے دن نانا جان سے کہوں گی کہ آپ کی اُمت نے میرے جگر گوشوں کو بے دردی سے ذبح کیا۔"

اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہن کے آنسو نہ دیکھے گئے۔ وہ خیمہ سے باہر تشریف لائے تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا بچّوں کی لاشوں پر جھپٹیں اور اس طرح بیچ میں لیٹیں کہ دائیں طرف اور عون اور بائیں طرف محمد۔ دونوں کا خون اپنے مُنہ پر ملا۔

اب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اٹھیں۔ بھائی کے پاس آئیں اور کہا "جائیے انہیں لے جائیے اور سپردِ زمین کر دیجئے۔"

بھائی بھتیجوں کی شہادت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ	حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ تصویر کی مانند

خاموش اور پتھر کی طرح ساکت کہ خولی اور شمر ذی الجوشن گھوڑوں پر سوار حسینی خیموں کی طرف آئے اور خولی نے پکار کر کہا، "علی (رضی اللہ عنہ) کی شجاعت کدھر گئی کیا اب کوئی باقی نہیں رہا؟"

حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر آئے تو شمر نے کہا، "عباس! تم میری بہن کے بیٹے ہو اس لئے سمجھاتا ہوں کہ اپنی جوانی خاک میں نہ ملاؤ اور ہماری طرف چلے آؤ، حسینی فوج کے تم صرف علمبردار ہو، ہمارے ہاں آ کر لشکر کی سرداری لو، دنیا بھر کی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی، آؤ عباس ہماری پناہ میں آجاؤ۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، "واہ کیا بات کہی ہے، مجھے پناہ دینا چاہتا ہے، مگر فرزندِ رسول کے قتل پر کمر بستہ ہے۔ علی (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ان چکنی چپڑی باتوں میں آنے والے نہیں۔ ہم دنیا کی چند روزہ جھوٹی مسرت پر لات مارتے اور لعنت بھیجتے ہیں، یقین کرو کہ حق کے لئے ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔"

خولی اور شمر ذی الجوشن یہ سن کر واپس چلے گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ خیمہ میں آئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ

نے جو گفتگو سُن چکے تھے بھائی سے کہا ''عباس (رضی اللہ عنہ) ابن زیاد، عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن کی دشمنی مجھ سے ہے، تم کیوں میری وجہ سے جان کھوتے ہو''۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے ابھی الفاظ نکلے ہی تھے کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ عباس، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کو تہہ تیغ کیے بغیر خاموش رہے۔ بھیا بھول کر بھی یہ خیال دل میں نہ آنے دینا کہ ابنِ علی (رضی اللہ عنہ) اپنے بھائی کو تنہا چھوڑ کے مُنہ موڑ سکتا ہے''۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''یہ تمہاری محبت ہے مگر میری محبت کا یہ تقاضا ہے کہ تمہیں سمجھاؤں کہ میری رفاقت میں اپنی جان ضائع نہ کرو''۔

اب حضرت عباس نے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''بہن تم ہی بھیّا سے میری سفارش کرو، میری اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ بھائی کے قدموں پر سر نثار کر دُوں''۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا'' ہاں بھیا سچ تو کہتے ہیں، شمر کے کہنے سُننے کا اُن پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

وہ اپنے مُنہ سے کچھ ہی بکے۔ یہ آپ کا ساتھ قیامت تک نہیں چھوڑ سکتے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "اچھا"۔ اور بھائی کو گلے سے لگا لیا کہ اتنے میں مسلم بن عقیل کی بچّی آ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ٹانگوں سے چمٹ گئی اور زبان نکال کر دکھائی جس کا مطلب یہ تھا کہ پیاس کے مارے بُرا حال ہے۔ چند قطرے پانی کے اس سوُکھے ہوئے حلق میں ڈال دیجئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی وقت مشک اٹھائی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہر فرات پر پہنچے اور عمر بن حجاج سے جو نہر کی حفاظت پر ایک دستہ فوج لئے اس غرض سے مامور تھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حسینی خیموں تک نہ پہنچے۔ کہا "دودھ پیتے بچّے بے ہوش پڑے ہیں اور ننھّی بچّیاں پیاس کی شدّت سے بے جان ہو رہی ہیں۔ ایک اور صرف ایک مشک پانی کی بھر لینے دو۔ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن جب ہر مسلمان کی نظریں میرے آقا و مولا ساقیٔ کوثر پر لگی ہوں گی جب تک تمہیں حوضِ کوثر سے سیراب نہ کرا دوں گا میرے لئے ایک قطرہ بھی حرام ہوگا۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کا جواب

ایک متفقہ قہقہہ تھا آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہوا کی طرح گھوڑے کو دوڑایا، شیر کی طرح دشمن پر گرے اور آناً فاناً پانی سے مشک بھر کر کندھے پر رکھی اور ایک چلّو پانی اس لئے بھرا کہ خود پئیں کہ معصوم بچّوں کا خیال آیا اور یہ کہہ کر کہ "جب تک بچّے پانی نہ پی لیں گے۔ عباس کے منہ میں ایک قطرہ بھی نہیں جا سکتا"۔

چلّو پھینک دیا اور اپنے خیموں کی طرف گھوڑا سرپٹ دوڑایا۔ شمر نے چلّا کر کہا "اگر حسینی خیموں میں پانی پہنچ گیا۔ تو قیامت ہو جائے گی"۔

عمر و سعد نے اسی وقت تیر اندازی کا حکم دیا۔ ادھر سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور اُدھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سر پر تلواریں چمکیں۔ دایاں ہاتھ کٹ گیا تو مشک بائیں کندھے پر رکھ لی مگر بائیں ہاتھ پر بھی تلوار پڑی اور تیر جو آنے شروع ہوئے تو مشک چھلنی ہو گئی اور سارا پانی بہہ گیا۔ بالآخر زید داؤد الجعفی اور حکم بن طفیل کے تیر سینے پر آ کر لگے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سے نیچے گرے اور روح تن سے نکل گئی۔

حضرت قاسم

بھائی کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود میدان میں جانے کا قصد کیا تو حضرت امام حسن کی نشانی حضرت قاسم (رضی اللہ عنہم) جو ۱۳ سال کے تھے میدان میں جانے کے لئے تیار تھے۔ چچا کی طرف دیکھا اور عرض کیا" اب مجھے اجازت دیجئے کہ دشمنوں سے گستاخی کا بدلہ لوں"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حسرت بھری نظریں ڈال کر جواب دیا۔

" مرنے کی نہیں جینے کی باتیں کرو قاسم۔ بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) کی ایک تم ہی نشانی رہ گئے ہو۔ جب تم بھی نہ رہو گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی اور ان کی شہادت کا جو ناسور دل میں ہے اسے اور گہرا نہ کرو۔ چچا تمہارے لڑکپن پر قربان، زندہ رہو اور پھلو پھولو"۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا" زندہ رہنے کا لطف تو آپ ہی کے زیرِ سایہ تھا۔ آپ کی شفقت نے یتیم قاسم کے دل سے باپ کی محبت بھلادی۔ آپ نے اپنے بچوں سے بڑھ کر بھائی کے یتیم بچے کو سمجھا۔ مگر آج عون و محمد جیسے

بھانجے ماموں پر نثار ہو چکے تو قاسم کو اپنے چچا پر فدا ہونے سے محروم نہ کیجئے۔ اچھی پھوپھی جان آپ ہی میری سفارش کیجئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی لاج رکھ لیجئے ورنہ کل قیامت کے دن جب میں اپنے ابّا جان کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا تو آپ جیسی شفیق پھوپھی پر بات آئے گی کہ آپ نے اپنے بچّوں کو خوشی خوشی شہادت کے لئے بھیج دیا مگر مرے ہوئے بھائی کے بچّے کی طرف سے غفلت برتی اور اسے اس سعادت کے حاصل ہونے میں مدد نہ دی"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں! سچ کہتے ہو، خُدا کو یہی منظور ہے کہ گلشن زہرا کا ایک ایک پھُول میدان کربلا میں مرجھا جائے۔ بھیا قاسم کی درخواست منظور کرو اور اسے رن کی اجازت دو"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اچھا قاسم جاؤ اور دل کا حوصلہ پُورا کر لو"۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں پہنچے اور اعداء سے کہا "جانتے ہو میں کون ہوں؟ اُس حسن (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا جس سے کسی ذی رُوح کی تکلیف کبھی نہ دیکھی گئی اور جس نے انتہائے تکلیف میں ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

اور اس علی (رضی اللہ عنہ) کا پوتا جس کی شجاعت کا تم میں سے ہر شخص آج بھی معترف ہے۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ اب بھی باز آجاؤ اپنی بے ہودگیوں سے اور وہ کام نہ کرو کہ قیامت تک تم پر لعنت برستی رہے"۔

اس گفتگو کا لشکرِ اعداء پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تیر آنے شروع ہوئے تو حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تلوار تول کر دشمنوں پر گرے اور جوہر شجاعت دکھا کر شہید ہو گئے۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چاند کی شہادت پر کہرام مچ رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا پوتا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا لال علی اکبر لڑائی کے کپڑے پہنے ہتھیار لگائے میدانِ جنگ کے لئے تیار تھا۔ حضرت بی بی اُمِ لیلیٰ نے اپنے بچے کو تیار دیکھ کر شوہر سے کہا۔ "اکبر میاں اجازت کے منتظر ہیں"۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "میں اجازت دینے والا کون۔ ان کا اختیار ان کی پھوپھی کو ہے جس نے ان کی پرورش کی ہے"۔

یہ سن کر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ پھوپھی کے پاس آکھڑے ہوئے اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا معنی خیز نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں اور فرمایا۔ "اکبر! میں نے تجھے بڑی مشکل سے

پالا ہے، رات کی نیند، دن کا سکھ قربان کر کے بالشت بھر گوشت کے لوتھڑے کو اس دن کے لئے جوان کیا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے، میرے منہ میں خاک تیرا مُردہ جسم پڑا ہوا ہو؟ اور جس دل میں برسوں تیری شادی کا ارمان پرورش پاتا رہا آج اسی میں اس کا مدفن بنے"؟

یہ کہہ کر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئیں۔

پھر کچھ خیال آیا اور بھاوج سے کہا "اس کا دودھ بخش دو"۔ اُمِ لیلیٰ کی کوکھ اُجڑ رہی تھی، ہچکی بندھی ہوئی تھی کہا "میں نے بخشا، میرے اکبر ماں تیرے صدقے"۔

اب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا "ماں کے گلے لگ کر رخصت ہو"۔ پھر فرمایا "باپ کی چھاتی سے لگو"۔ جب حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ باپ کی طرف بڑھے، تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بھیا، میرے بچّے کی آرزو پوری ہونے دو، رَن کی اجازت دو"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم نے اجازت دے دی تو میری طرف سے بھی اجازت ہے"۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں پہنچے تو عمر و سعد نے کہا "اکبر! (رضی اللہ عنہ) تمہارے باپ کو تو تمہاری جوانی

پر رحم نہیں آیا کہ قتل ہونے کے لئے خیمہ سے نکال باہر کیا۔ مگر مجھے تم پر ترس آرہا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ اپنے اچھے اور بُرے کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تمہارے باپ مفلس اور بے یار ومددگار ہیں اور ہمارے پاس طاقت بھی ہے اور دولت بھی۔ آؤ، ہماری طرف آجاؤ اور ایسی غلطی نہ کرو جو تم جیسے سمجھدار نوجوان کے لئے مناسب نہیں۔ تمہارے باپ نے خلیفۂ وقت سے بغاوت کی ہے مگر اس کے باوجود میں اپنے رحم وکرم سے تمہیں معاف کردوں گا۔"

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "بس خاموش رہو، تُو سمجھتا تھا کہ اولادِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پانی بند کرکے اور بھوکا پیاسا رکھ کر تُو اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے گا اور ہم تیری اطاعت کرلیں گے۔ تُو چاندی کے ڈھیر اور سونے کے انبار بھی میرے آگے ڈال دے تو مجھ پر ان کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور اِن قدموں کو جو آگے بڑھ چکے ہیں پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ اب اگر ہمت ہے تو میرے مقابلہ کو نکل۔"

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے جواب میں

ایک تیر ان کی طرف پھینکا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے کی تلوار جدھر گئی اُدھر ہی صفایا کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر عمرو سعد نے کہا "سب مل کر حملہ کرو"۔ اب حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو عمرو سعد نے گھیرے میں لے لیا اور ہر طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ یہاں تک کہ منقذ بن نعمان العبدی نے سینہ پر برچھی ماری۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور چند لمحے بعد بے جان جسم رہ گیا۔

حضرت امام حسین، حضرت علی اکبر (رضی اللہ عنہم) کی لاش اٹھا کر خیمہ کے پاس پہنچے تو حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک خاتون جن کا چہرہ مثل آفتاب منور تھا خیمہ سے باہر آگئیں۔ پوچھا گیا یہ کون ہیں معلوم ہوا بی بی زینب دخترِ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ماں کلیجہ کے ٹکڑے چند لمحے قبل قربان کر چکی تھی اور خیمہ سے باہر نہ نکلتی تھی بھتیجا کی لاش دیکھ کر بیتاب و بے قرار ہو گئی۔ حمید بن مسلم کہتا ہے "حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بازو پکڑ کر بہن کو خیمہ میں لائے"۔

حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو سپرد زمین کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمہ میں تشریف لائے، تو اُمّ رباب نے

کہا۔" جس دن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔ لیکن کیا کروں کلیجہ نکل پڑ رہا ہے۔ آج ایک درخواست کرتی ہوں حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ دو دن سے اس کے حلق میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا۔ دیکھئے منکا ڈھل چکا ہے۔ زبان میں کانٹے پڑے ہوئے اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہوتی ہیں اگر چند قطرے پانی کے اس کے حلق میں چلے جائیں، یہ پھول سا چہرہ جسے پیاس نے مرجھا دیا ہے پھر کھل جائے گا، ابنِ علی (رضی اللہ عنہ) چند قطرے پانی کے اس کے حلق میں ڈال دیجئے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بچّہ کو لیا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کہا۔" بھیا جن لوگوں کو سیدہ کے لال پر رحم نہ آیا وہ بھاوج کے لال پر کیا ترس کھائیں گے۔ مگر خیر لے جائیے۔ بہت سے صاحبِ اولاد ہوں گے شاید کسی کو اس بے زبان معصوم پر رحم آجائے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بچّے کو لے کر میدان میں آئے اور اعداء سے فرمایا۔" لڑائی میری اور یزید کی ہے، یہ شیر خوار بچہ بے قصور ہے، لُو کے تھپیڑوں نے اس کا نازک جسم جھلسا دیا اور تین روز کی پیاس نے اس کی زبان میں کانٹے ڈال

دیئے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پلانے کے لئے تم مجھے پانی دے دو یا میں تمہارے سامنے اسے پانی پلا دوں نہیں تم خود صرف چند قطرے اس کے حلق میں ڈال دو۔"

اُن لوگوں نے جو اسلام کے دعوے دار اور انسانیت کے مدعی تھے، ان الفاظ کا مضحکہ اُڑایا اور ہزاروں میں ایک دل بھی ایسا نہ نکلا جو پسیج جاتا۔ ادھر شمر ذی الجوشن کے یہ الفاظ ہوا میں گونجے کہ "حسین (رضی اللہ عنہ) کا بچّہ زندہ نہ جانے پائے"۔ اور اُدھر حرملہ بن کابل کا تیر معصوم اصغر کے حلقوم کے پار تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید اصغر کی لاش سینے سے لگائے خیمہ میں آئے اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ انہوں نے کلیجہ سے دُودھ پیتے شہید بچّے کو چمٹا لیا اور کہا۔ "نانا جان! دیکھئے آپ کی اُمّت نے ہم سے کیا سُلوک کیا ہے۔"

شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

مردوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوا غریب الوطن سیدانیوں کے سر پر جب کوئی نہ رہا تو علی بن حسین میدان

جنگ میں جانے کے لئے اُٹھے۔ حضرت زین العابدین انہیں کو کہا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے یہ بڑے لڑکے تھے، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے منسوب تھے۔ ان کے بیٹے محمد باقر رضی اللہ عنہ معرکۂ کربلا کے وقت موجود تھے اور ان کی عمر اس وقت ۴ سال کے قریب بیان کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں حضرت زین العابدین حضرت بی بی شہر بانو کے بیٹے تھے۔ حضرت بی بی شہر بانو ان کو چھتیس (۳۶) دن کا چھوڑ کر رحلت فرما گئی تھیں۔ یہ بادشاہِ ایران یزدجرد یا یزدگرد کی بیٹی تھیں۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ جوان تھے مگر بیمار تھے کمزوری کا یہ حال تھا کہ چند قدم ہی چلے تھے کہ پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور کہا" بیٹا بخار سے تمہارا بدن اس وقت جھُلس رہا ہے۔ کمزور حد سے زیادہ ہو رہے ہو، پاؤں رکھتے کہیں ہو پڑتا کہیں ہے۔ تمہاری حالت ہرگز میدانِ جنگ کے قابل نہیں۔ خدُا تمہیں صحت دے اور زندہ سلامت رکھے تاکہ خاندان کی نسل بالکل ہی ختم نہ ہو جائے"۔

اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہتھیار لگانے کے لئے دوسری طرف چلے تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا یہ کہہ کر "اپنے بھائی کے ہتھیار زینب لگائے گی"۔ حضرت امام کے ہتھیار باندھنے لگیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا"۔ ہاں! زینب (رضی اللہ عنہا) تیرا بھائی تجھ سے رخصت ہوتا ہے جو دنیا میں اور چند لمحوں کا مہمان ہے۔ جس صورت کی تو ہمیشہ پروانہ رہی، جس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے جو کسی انسان سے کسی طرح بھی ممکن ہو سکتی ہے کبھی دریغ نہ کیا۔ تجھ سے پہلے دنیا میں کوئی بہن ایسی نہیں ہوئی اور نہ مستقبل میں کوئی بہن اپنے بھائی کے لئے اتنا کر سکے گی جو تو نے کیا۔ دنیا قیامت تک حسین (رضی اللہ عنہ) کی عاشق زار بہن کو نہیں بھول سکتی۔ اور عالم انسانیت میں زینب (رضی اللہ عنہا) کا نام ہمیشہ عزت واحترام ہی نہیں عقیدت اور محبت کے ساتھ لیا جائے گا۔ تیری شجاعت اور صداقت، تیری فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ساتھ تیرا ایثار اور نفس کشی، تیرا

ضبط اور تحمل مسلمان خواتین کے لئے ایک ایسی مثال ہو گی جسے سامنے رکھ کر وہ منزلِ مقصود پر پہنچ سکیں گی۔ تُو نے مدینہ، کوفہ اور مکّہ میں باپ کے خون اور ماں کے دُودھ کا حق ادا کیا۔ اور آج کربلا کو دکھا اور دنیا کو بتا دیا کہ بہن کسے کہتے ہیں۔ زینب (رضی اللہ عنہا) شرمندہ ہوں، ایسی حالت میں چھوڑ رہا ہوں کہ کوئی تیرا سر دھرا نہیں مگر سب سے بڑا وارث وہ ہے جس کی راہ میں سب کچھ لُٹانے کے بعد تیرا بھائی سر کٹانے جا رہا ہے"۔

بھائی کو ہتھیاروں سے آراستہ کر چکی تھیں۔ گفتگو کا ایک ایک لفظ دل پر تیر بن کر لگ رہا تھا۔ ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ نظریں اُونچی کیں، ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور جھپٹ گئیں۔

اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو جو آخری وصیت کی وہ "انارۃ البصائر" میں اس طرح ہے کہ:

"میرے بعد مُنہ پیٹنا نہ بال نوچنا اور نہ گریبان پھاڑنا، جس طرح مادرِ مرحومہ نے نانا جان کے فراق پر صبر کیا اُسی طرح تم بھی میرے بعد صبر کرنا"۔

اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بی بی رُباب اُمِ لیلیٰ سے خطاب کیا: "علی (رضی اللہ عنہ) کی بہوؤ! میری خاطر جو تکلیفیں تم نے اٹھائیں میں انہیں دھرانا نہیں چاہتا۔ تمہاری خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کا میرے پاس کچھ صلہ نہیں۔ میرے بعد خدا جانے تمہارا کیا حشر ہو۔ یاد رکھنا استقامت میں فرق نہ آئے اور مصائب کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں، دامنِ صبر ہاتھ سے نہ چھوٹے"۔

اس کے بعد آپ نے حضرت زین العابدین کو پیار کیا اور فرمایا: "اگر زندہ رہو تو مسلمانوں کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ ثابت قدمی اور صداقت زینۂ کامیابی کی ابتدائی سیڑھیاں ہیں۔ آفات سے گھبرا کر ہمت ہار دینا اور تکالیف سے پریشان ہو کر بلبلا اٹھنا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ حسین (رضی اللہ عنہ) نے ہر تکلیف ہنسی خوشی برداشت کی، مگر اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا۔ دنیاوی کامیابی اس کے قدموں پر نچھاور ہوتی، مگر اس نے راہِ حق سے مُنہ نہ موڑا۔ اور یہ گوارا نہ کر سکا کہ اسلام کی اصل صورت

مسخ ہو جائے"۔

اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر آئے۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کو گھوڑے پر سوار کرایا اور وہ خدا حافظ کہہ کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ اور عمر وسعد کے لشکر سے یوں خطاب کیا:

"آج جمعہ کا دن ہے اور مسلمان فریضۂ نماز ادا کر رہے ہوں گے۔ اُن کی زبان پر جس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے اُسی کے نواسے کو، جو قرآن اُن پر نازل ہوا تھا اس کو ایمان سمجھنے والو! اسی نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیارے کو قتل کرنے کے لئے تم لوگ کمر بستہ ہو! روزِ محشر میں جس کی شفاعت پر بھروسہ رکھتے ہو، اُسی مقدس انسان کے کندھوں کے سوار کے خون سے پیاس بُجھانے کے لئے یہ ہزاروں تلواریں چمک رہی ہیں"۔

عمر وسعد! تُو نے چمنستانِ زہرا کا ایک پھول چُن چُن کر مسل ڈالا، تُو نے تین دن تک انہیں پیاسا مارا مگر تُو نے دیکھ لیا کہ اُن کے پائے ثبات میں ہلکی سی بھی لغزش نہ ہوئی اور وہ آخر وقت تک

بیعتِ یزید پر لعنت بھیجتے رہے۔ دنیا چند روزہ ہے اور وہ تمہاری جھوٹی کامیابی کی خوشیاں عارضی۔ مگر اے عمر و سعد! تم نے کربلا کے میدان میں آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو کیا ہمیشہ باقی رہے گا۔"

تم نے مسلمان ہو کر انسانیت ہی کے نہیں اسلام کے نام کو بٹّہ لگا دیا۔ اور یہ وہ کلنک کا ٹیکہ ہے جو کسی کے چھڑائے نہ چھوٹ سکے گا۔ اس لئے کہ اتمامِ حجّت کی ذمہ داری مجھ پر نہ آئے۔ میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر تمہاری عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور تم اپنی ہٹ پر قائم ہو، یزید اپنی خلافت پر، ابنِ زیاد اپنی حکومت پر اور عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن تم لوگ اپنی ہشیاری اور عیّاری پر کتنے خوش ہو لو، مگر حسین (رضی اللہ عنہ) کے یہ الفاظ یاد رکھنا کہ وہ دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب قانونِ قدرت تم سے انتقام لے گا اور چپّہ چپّہ اور کونے کونے سے تم پر لعنت و ملامت ہوگی۔ یزید بھول گیا، ابنِ زیاد کو یاد نہ رہا اور تم لوگوں نے خیال نہ کیا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کی تربیت کس نانا نے اور حسین کی پرورش کس باپ نے کی ہے، حسین نے کس ماں کا دودھ پیا ہے اور حسین کی عمر کس

بہن کی رفاقت میں گزری ہے۔ صبر و رضا ہمارا موروثی شیوہ ہے اور ضبط و تحمل ہماری فطرت، پانی کیا اگر ہوا بھی تمہارے قبضۂ قدرت میں ہوتی تو اسے بھی بند کر کے دیکھ لیتے کہ صداقت کے لئے حسین (رضی اللہ عنہ) کی استقامت اور استقلال میں فرق نہ آسکتا تھا۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے جواب میں شمر نے کہا "ہم آپ کا وعظ سننے کے لئے نہیں آپ کا سر ابنِ زیاد کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔"

یہ سن کر ابنِ سنان حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی برچھی اُس کے سینے کے پار تھی۔ اس کے بعد کئی آدمی عمر و سعد کے لشکر سے نکلے اور زمین پر گر کر تڑپے، اب سب کو مل کر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دشمنوں نے گھیرے میں لینا شروع کیا، ابنِ علی (رضی اللہ عنہ) کی تلوار جدھر گئی ستھراؤ کر دیا۔ بالآخر ایک شخص امان کا تیر سید الشہداء کے حلق کے پار ہو گیا۔ اور اسی حالت میں آپ لڑتے اور دشمنوں کو گراتے ہوئے نشیب کی طرف پہنچے۔

جس وقت سیدہ کا لال تن تنہا ہزاروں دشمنوں کا مقابلہ

کر رہا تھا اس وقت سیدہ کی بیٹی خیمہ کے دروازہ پر کھڑی بھائی کی جنگ دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے نشیب کا رُخ کیا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا جن کی جان اپنے بھائی کے ساتھ لڑی ہوئی تھی تیز قدموں سے اس ٹیلہ پر پہنچیں جو آج بھی تل زینبیہ کہلاتا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خون کی کلّیاں کرتے تیغِ حیدری کے جوہر دکھا رہے تھے کہ درعا بن شارق کی تلوار بائیں ہاتھ پر پڑی اور آپ گھوڑے پر سے گر پڑے۔ اس وقت جب چاروں طرف سے زخموں سے نڈھال سید پر تلوار کے وار ہو رہے تھے، اس وقت جب تیروں کی بوچھاڑ سے سارا جسم چھلنی ہو چکا تھا۔ عمر و سعد گھوڑا دوڑاتا ہوا اُدھر آیا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے جن کے گوشوارے کانوں اور گردن کے درمیان ہل رہے تھے باوازِ بلند کہا۔

"اے عمر و سعد حمیّت دین اور پاس قرابت داری دونوں چیزیں غارت ہو گئیں، تو قریشی خون تو تیری رگوں میں ہے! ایک قریشی سردار کو اس حالت میں تیری آنکھیں کس طرح دیکھ رہی ہیں"!!

یہ سُن کر عمر وسعد وہاں سے ہٹ گیا۔ ادھر زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کیا۔ اُدھر سنان بن انس کا تیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سینہ پر آکر لگا۔ سنان نے دوڑ کر نیزہ کھینچا تو شمر ذی الجوشن خنجر نکال کر آگے بڑھا۔ اور اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑی، پیاسے امام نے کانٹے پڑی ہوئی زبان دکھا کر کچھ فرمانا چاہا کہ اس نے سینہ پر چڑھ کر گھٹنا ٹیک کر خنجر گلے پر رکھا اور جس سر کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسے دیتے تھے تن سے علیحدہ کر دیا۔

اور پھر جب خولی نے سر نیزہ پر چڑھا کر بلند کیا۔ اور اسلام میں یہ سب سے پہلا سر تھا جو نیزہ پر بلند کیا گیا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ شہادت گہہ کربلا میں گونجے۔

"ارے ملعونو! تمہارے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی
حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر نیزے پر چڑھا لیا مگر اب
وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ زینب بھائی کے جسم کو
اپنے ہاتھ سے پیوندِ زمین کر دے"۔

جسم مبارک پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

لٹی ہوئی سیدانیاں

ٹھیک اُسی وقت جب مسجدوں میں نمازِ عصر ادا ہو رہی تھی کربلا کے ریگستان میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیانے بج رہے تھے۔ ادھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے اور اُدھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

حمید بن مسلم لکھتا ہے: جب خیموں کو آگ لگادی گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک دراز قد بی بی ایک جلتے ہوئے خیمہ کی طرف دوڑیں اور ایک نوجوان کو کھینچتی ہوئی آگ میں سے نکال کر لائیں، اس وقت ان بی بی کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بی بی حضرت زینب بنت علی (رضی اللہ عنہما) تھیں اور وہ نوجوان علی بن حسین (زین العابدین رضی اللہ عنہ) تھے۔

مصنفِ ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ گیارہویں تاریخ یعنی دوسرے دن بعد زوال آگ لگائی گئی تھی۔

اس وقت عمرو سعد، شمر ذی الجوشن، خولی اور سنان لٹی ہوئی

سیدانیوں کے خیمہ کی طرف آئے اور شمر اندر داخل ہوا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے للکارا:

"ارے کم بختو! پرے ہٹو اور قہر آلود نظریں رسول زادیوں پر نہ ڈالو۔ یہاں علی (رضی اللہ عنہ) کی بہوئیں اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نواسیاں ہیں۔ ہمارے سر دھرے خاک و خون میں ملانے کے بعد ہماری بے حرمتی نہ کر۔ تیرے پاؤں کٹ جاتے اس سے پہلے کہ حرم حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف قدم بڑھتے۔ تیری آنکھیں پھوٹ جاتیں قبل اس کے کہ زینب بنت علی (رضی اللہ عنہا) کے چہرے پر پڑتیں"۔

شمر نے سُنا بھی نہیں کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نواسی کیا کہہ رہی ہے۔ خیمہ کے دوسری طرف دیکھا تو نحیف و نزار لاغر اور ناتواں، بخار زدہ زین العابدین نظر آئے۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ جب شمر خیمہ میں آیا تو عابد بیمار بستر پر بے ہوش تھے۔

یہ بیان بھی اسی کا ہے کہ "میں نے اس وقت ایک صاحب جلال و عظمت، بلند قامت خاتون کو دیکھا کہ تمام عورتیں بچے ان کے گرد جمع ہو گئے تھے اور دامن پکڑے ہوئے تھے۔ اور وہ خاتون اُن سب کو تسلی دے رہی تھیں"۔ اور یہ خاتون حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

مصنف "مناظر المصائب" ابو اسحٰق القرائی کے حوالہ سے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ لکھتا ہے۔ "ہم خیمہ میں بیٹھے تھے کہ بہت سے لوگ اندر آئے۔ ارزق نے کل اسباب لے لیا۔ جس چمڑے پر زین العابدین (رضی اللہ عنہ) تھے اُسے کھینچ لیا۔ جب ہمیں لوٹ چکے تو عابد بیمار کی طرف متوجہ ہوئے۔ شمر نے عمر و سعد سے کہا۔ "اس کو ابھی قتل کرتا ہوں تاکہ حسین (رضی اللہ عنہ) کا نام و نشان ہی نہ رہے"۔

یہ سُن کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت زین العابدین سے لپٹ گئیں اور کہا۔ "خدا کی قسم! اس کے ساتھ میں بھی قتل ہوں گی"۔

شمر غصّہ اور حیرت سے گھور رہا تھا کہ عمر و سعد نے منع کر دیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو قتل ہونے سے بچایا۔

اب سیدانیوں کے خیموں کو لُوٹا گیا۔ زر و جواہر اور مال و متاع کیا ملتا۔ وہاں اللہ کا نام تھا۔ لیکن جن شقی القلب انسانوں کے ہاتھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیاروں کو قتل کرنے کے لئے بڑھے تھے، وہ سیدانیوں کی بے حُرمتی سے کس طرح رُک سکتے تھے۔

جب لوٹ کھسوٹ ہو رہی تھی تو عمر و سعد آ گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ گھسے، جس نے اسباب لوٹا ہو واپس کر دے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر فرمایا۔ "تیری زبان نے ہمیں بچا لیا"۔

پھر ایک خیمہ میں عورتوں اور بچّوں کو پہنچا دیا گیا۔ ساری رات میدانِ کربلا میں ایک طرف کامیابی کا جشن منایا جا رہا تھا اور دوسری طرف ایک خیمہ میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا پہرہ دیتی رہیں اور خیمہ سے باہر کئی جوان ننگی تلواریں لئے جاگتے رہے۔

مصنفِ ناسخ التواریخ (جلد ششم) میں لکھتا ہے کہ گیارہویں تاریخ یعنی دوسرے دن حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی نظر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش پر پڑی تو فرمایا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو قید کی گئیں، یہ آپ کا پیارا حسین (رضی اللہ عنہ) ہے جس کا سر اس کی گردن سے الگ کیا گیا۔ اور سارا لباس اس کے جسم سے اُتارا گیا۔ میں قربان ہوں اس پر جس کا لشکر غارت کیا گیا، جس کے خیمے گرائے گئے۔ میری جان اس پر فدا ہو جس کے سر کا خون

اس کے مُنہ اور تمام بدن پر جاری تھا۔ جو بھوکا پیاسا اس جہان سے گزرا، جس پر فدا ہونے کے لئے میری جان پیدا کی گئی۔ جو ہمیشہ رنج وغم میں اپنی زندگی بسر کرتا رہا۔"

اُسی دن عمرو سعد نے اپنی فوج کے مقتولین کی لاشیں جو کامل بن اثیر کے بیان کے مطابق ۸۸ تھیں نمازِ جنازہ کے بعد دفن کرائیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی نعشیں اسی مؤرخ کے بیان کے مطابق ۷۲ تھیں۔

دو دن بعد عمرِ و سعد کا لشکر کربلا سے کوفہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور تیسرے دن اہلِ غاضریہ نے جو قبیلہ بنی اسد سے تھے اور قریب رہتے تھے اور اپنی ضروریات سے ادھر آئے تھے نماز جنازہ ادا کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء کی لاشیں دفن کیں۔

چھٹا باب

کربلا کے بعد

سفرِ کوفہ اور

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر

کربلا کے بعد

سفرِ کوفہ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر

۱۲ محرم کو یعنی تیسرے روز اہلِ بیت کو جن کے کپڑے لیری اور جن کے چہرے گرد آلود تھے، رسیّوں سے باندھا گیا۔ اور پھر اُونٹوں پر جن کی پُشت پر کجاوہ بھی نہ تھا بٹھایا گیا سیدانیوں کے چہرے کھُلے ہوئے تھے۔

جب اہلِ بیت کو اُونٹوں پر بیٹھنے کی شِمر جلدی کر رہا تھا اور سب بیبیاں بیٹھ چکی تھیں صرف حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا باقی تھیں تو انھوں نے ابنِ زیاد کے فوجیوں سے کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھنے والو! ہم تمہارے پیغمبر کی ذرّیت ہیں اور تم ہم کو مِثل قیدیوں کے ہانکے لئے جاتے ہو۔"

شہداء کے سر قبائلی سرداروں میں تقسیم کر دیئے گئے تا کہ

وہ نیزوں پر بلند کریں اور دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ مختلف قبیلوں کے سردار مقتولین کے سر نیزہ پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اہلِ بیت کے ساتھ ہمدردی نہ ہو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر خولی کے سپرد تھا اور اس طرح کہ آگے آگے شہدا کے سر، اُن کے بعد اہلِ بیت کے اُونٹ تھے۔ خانماں برباد قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

مغرب کی سمت ناموسِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کی تاب نہ لا کر آفتاب رُوپوش ہو رہا تھا کہ مشرق کی طرف سے لشکر عمر و سعد کی تلواروں کی چمک دمک شہر کوفہ پر پڑنی شروع ہوئی۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی زمین نے کئی سال تک حضرت زینب بنتِ علی (رضی اللہ عنہم) کے قدم سر پر رکھے اور پاؤں سے آنکھیں ملی تھیں۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی خواتین سیدۃ النساء کی بیٹی کے مواعظ اور ارشادات پر پروانہ وار گرتیں اور بیان سُن کر گھنٹوں روتی تھیں! اُسی سرزمینِ کوفہ پر آسمان کی گردش چشم کیا دیکھ رہی ہے! وہی حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اس حالت میں داخل ہوتی ہیں کہ اونٹ پر بیٹھی ہیں۔ کھُلے چہرے پر بال پڑے ہیں اور کپڑے جھیر جھیر اور تار تار ہیں۔

جب ننگی تلواروں کی نگرانی میں لٹی ہوئی سیدانیوں کا

قافلہ شہر میں داخل ہوا تو بازاروں میں، دکانوں میں، دیواروں درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر مرد عورت اور بچے اہلبیت نبوی کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ شہداء کے سر اور اہلبیت کی بے کسی دیکھ کر بعض عورتوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہوئی اور انہوں نے بچوں کو کھجوریں دیں تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دلا کر جو اُنہیں سے روایت ہے پھینکوا دیں کہ:

"صدقہ آلِ محمد پر حرام ہے"۔

اور جب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ اُن کے نانا کے کلمہ گو رسُول زادیوں کو گھُور گھُور کر دیکھ رہے ہیں تو باآواز بلند فرمایا:

"لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو"۔

کوفی اپنی دغا بازی اور غداری پر پشیمان ہوئے اور رونے لگے تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ کے بازار میں ایک تقریر کی کہتے ہیں یہ حادثہ کربلا کے بعد حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی تقریر تھی۔ انہوں نے خلقت کے نہیں، تماشائیوں بدعہد کوفیوں کے ہجوم کو دیکھا تو بے اختیار ہو گئیں اور بازار کوفہ میں بنت علی رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ گونجے

نوحہ کر رہے ہو! ہاں خدا کی قسم رؤو تم کو رونا ہی مناسب ہے۔ ہنسو کم اور رؤو زیادہ۔ تم نے بہت بُری بُری باتوں کی آرزوئیں کی ہیں، جن کو تم رو دھو کر کبھی اپنے دامن سے پاک صاف نہ کرسکو گے۔ بھلا بتاؤ تم خاتم نبوت اور معدنِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرزند کے قتل کے داغ کیسے دھو کر صاف کر سکتے ہو؟ جنّت کے جوانوں کے قتل کا دھبّہ کس طرح مٹا سکتے ہو؟

وہ تمہاری لڑائیوں میں تمہاری پناہ گاہ تھا، تمہاری جماعتوں کا محافظ تھا، تمہاری سلامتی کی قرار گاہ تھا۔ تمہارے کلمہ کی اساس اور بنیاد تھا۔ تمہاری مصیبتوں اور تمہارے حوادث میں تمہارا جائے پناہ تمہارے دلائل کی روشنی اور نشان تھا، تمہارا تمدن اور تمہاری معاشرت درست کرنے والا، تمہاری باہمی گفتگو کا مرجع!!

آہ! کس قدر بُری بات ہے۔ وہ جس کو تم آخرت میں بھیج چکے ہو اور کتنی سنگین ہے وہ چیز جس کو تم نے قیامت کے لئے چھوڑا ہے، وہ چیز

تم کو بہت دُور کرنے والی ہے (یعنی جنت سے) تم کو ڈس لینے والی ہے، تم کو اوندھا ڈال دینے والی ہے، تمہاری کوشش ناکام رہی۔ تمہارے ہاتھ ہلاک ہو گئے، حسرت و ناداری نے تمہارے چہرے بگاڑ دیئے، تم خدا کے غیظ و غضب کا ٹھکانہ بن گئے۔
کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کون سے جگر گوشہ کو پھاڑا اور کون سے عہد کو توڑا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کون سی بیٹی کی بے حرمتی کی ہے اور کون سے خون کو تم نے بہایا ہے۔ آہ! تم ایک بہت بڑے حادثہ کے مرتکب ہو گئے۔ تم ایک ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہو جو مُنہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔
اگر اس موقع کی بارش ہو تو کیا تم تعجب کرو گے! (یاد رکھو) آخرت کا عذاب تمہیں رُسوا کرنے والا ہے۔ اور وہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ طاقت خدا کے کاموں میں دخیل نہیں اور نہ انتقام لینے سے کوئی روک سکتا ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے۔"

تقریر سن کر بعض کوفیوں نے طعن کے طور پر کہا تھا کہ "جو لفاظی ان کے باپ علی (رضی اللہ عنہ) میں تھی وہی ان میں بھی ہے۔" مگر دشمنوں میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی زبانیں ان کی شجاعت، فصاحت اور خطابت کا اعتراف ان الفاظ میں کر رہی تھیں۔

"فصاحت اور بلاغت ان کے گھر کی لونڈی ہے آخر علی (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہیں۔"

حذلم بن کثیر عرب کے مشہور فصحاء میں سے تھے۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن کر اس کی فصاحت و بلاغت سے حیرت میں رہ گیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، کچھ شک نہیں تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے، تمہارے جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے۔ جو نہ کسی سے دبتی ہے نہ کسی کے سامنے جھکتی ہے اور نہ حق بات کہنے میں جھجکتی ہے۔"

اس سلسلہ میں بشیر بن حزیم اسدی کا بیان ہے کہ:

"جس وقت حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے تقریر شروع کی تو مجمع پر سکوت چھایا ہوا تھا اور سانس لینے کی آواز بھی سُنائی نہ دیتی تھی۔ ان کی تقریر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ علی (رضی اللہ عنہ) تقریر کر رہے ہیں"۔

ابنِ زیاد کا دربار اور بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ

دوسرے روز ابنِ زیاد حاکم کوفہ نے دربار عام منعقد کیا۔ عمائدینِ شہر اور فوج کے بڑے بڑے افسر جمع ہو گئے تو عمرو سعد کو حکم دیا کہ:

"مقتولین کے سر اور اُن کے ورثاء کو حاضر کیا جائے"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں اور دوسرے شہداء کے سر دوسرے طشت میں پیش کئے گئے۔ پھر حرم اہلِ بیت کو پہنچایا گیا۔ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا ایک کونے میں کھڑی ہو گئیں۔ ابنِ زیاد نے شہداء کے سروں اور اہلِ بیت پر ایک نظر ڈالی اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے کپڑے دیکھ کر دریافت کیا "یہ عورت

کون ہے؟"

کسی نے کہا: "یہ علی ابنِ ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت امام حسین کی بہن زینب کبریٰ (رضی اللہ عنہما) ہیں"۔

یہ سُن کر ابنِ زیاد نے کہا "خدا کا شکر ہے اس نے تم کو ذلیل و خوار کیا اور تمہارے نوجوانوں کو جھوٹا بنا دیا"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا۔ اُس خُدا کا شکر ہے جس نے اپنے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ عزت و شرف مرحمت فرمایا۔ آپ پر اور آپ کی اولاد پر خدا کی رحمت ہو"۔

ابنِ زیاد نے کہا: "تم نے دیکھا خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جناب زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے تو خوبی ہی دیکھی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے لئے خُدا نے شہادت کا درجہ رکھا تھا اور وہ باہر نکل کر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ خُداوند تعالیٰ تم کو اور اُن کو اکٹھا کرے گا۔ وہ تیرے مظالم کی فریاد کریں گے، ابنِ زیاد تجھ کو بھی خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ تو جواب دہی کے واسطے تیار ہو جا۔ اس وقت تو خود دیکھ لے گا کہ کون رُسوا ہوتا ہے"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی اس گفتگو سے عبید اللہ ابن زیاد اس قدر غضبناک ہوا کہ اُن کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ مگر عمرو بن حارث یا حریث نے یہ کہہ کر اُس کا غیظ و غضب ٹھنڈا کیا کہ "عورتوں کی باتوں پر کوئی سمجھدار انسان کان نہیں دھرتا" اور بعض مؤرخین کے مطابق یہ کہا "اب تجھ میں یہ غیرت بھی باقی نہیں رہی کہ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے لگا۔"

ابن زیاد نے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے کہا "خُدا نے باغی اور سرکش حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشی ہے۔"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اپنی جان کی قسم تو نے میرے ادھیڑ لوگوں کو مار ڈالا میرے اہلِ خانہ کو بے پردہ کیا، میری شاخوں کو قطع اور میری جڑوں کو کچل ڈالا۔ اگر یہ باتیں تیرے لئے شفا ہیں تو بے شک تُو نے شفا حاصل کی۔"

ابن زیاد نے ان جملوں کو سُن کر کہا۔

"یہ عورت سجع اور قافیہ میں بات کرتی ہے۔" یعنی نہایت فصیح و بلیغ اور صاف گو ہے۔

پھر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے کہا "تمہارے

باپ بھی شاعر تھے، تم کو شاعری اور خطابت میں کمال حاصل ہے، مجھے اس پر تعجب نہیں"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جو کچھ میں نے کہا ہے یہ شاعری ہے نہ خطابت۔ بلکہ صداقت ہے۔ اے ابنِ زیاد تجھے شرم نہیں آتی کہ فضول باتیں بنا رہا ہے"۔

اب عبید اللہ ابنِ زیاد نے حضرت عابد بیمار رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ لڑکا کون ہے"؟ عمرو سعد نے کہا "حضرتِ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا لڑکا ہے، اسے اس وجہ سے قتل نہیں کیا کہ یہ بیمار ہے"۔

ابنِ زیاد نے کہا اسے میرے سامنے قتل کر دو تاکہ مرد کی صورت میں حسین (رضی اللہ عنہ) کا نام لیوا کوئی نہ رہے"۔

یہ سُن کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت عابد بیمار پر جُھک گئیں اور کہا "اے ابنِ زیاد کون سا ستم تھا جو تُو نے ہم پر نہ توڑا۔ یہ بچہ ہاتھ لگا کر دیکھ، رسیوں میں جکڑا ہوا اب بھی بخار میں جھلس رہا ہے، میں اس کو نہ چھوڑوں گی، اگر تُو اسے مارتا ہے تو مجھے بھی مار ڈال"۔

ابنِ زیاد پر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ کا

اثر ہوا اور اس نے قتلِ عابد رضی اللہ عنہ، کو اشارہ سے روک دیا۔

عبید اللہ ابنِ زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ مُبارک طشت میں لاکر اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم انصاری اس وقت وہاں موجود تھے، انہوں نے ابنِ زیاد سے کہا۔

"چھڑی ہٹا لے۔ قسم ہے خدائے واحد کی، میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان ہونٹوں پر بوسے دیتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اس کے بعد ابنِ زیاد نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ "ان لوگوں کو مسجد جامع کے قریب کھنڈر میں لے جاؤ اور وہیں رکھو۔"

قیامِ کوفہ اور سفرِ شام

محرم کی تیرھویں یا چودھویں تاریخ کو عبید اللہ ابنِ زیاد نے یزید کو واقعہ کربلا کی خبر دینے کے لئے قاصد روانہ کیا اور جب تک قاصد یزید کا حکم لے کر واپس نہ آیا، اہلبیتِ

نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کوفہ میں رہے ۔ یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے مشیروں سے صلاح لی ۔ اور سب کا مشورہ یہ ہوا کہ مقتولین کربلا کے سروں کو اور اہلبیت کو دمشق طلب کیا جائے"۔

عبید اللہ ابنِ زیاد نے حکم ملنے کے چوتھے روز فوج کی نگرانی میں شہداء کے سر اور اہلبیت کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔

جب اہلبیت نصیبین میں پہنچے اور وہاں اُترے تو اُن کے قریب ہی شہدا کے سر رکھے گئے۔

جب اہلِ بیت کا قافلہ موصل پہنچا اور وہاں کے باشندے تماشہ دیکھنے نکل آئے تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے اس طرح ان لوگوں سے خطاب کیا:۔

"اے لوگو! تم نے خدا کو بھلا دیا اور ایسا بھُلا دیا کہ خُدا نے تمہارے لئے کوئی دین و آئین نہ بھیجا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم تک پہنچایا ہی نہ تھا۔ گویا تم سے قیامت کے دن کوئی حساب کتاب ہی نہ ہوگا"۔

دمشق جب ۴ (چار) میل کے فاصلے پر رہ گیا تو اہلبیت کو ٹھہرایا گیا اور یزید کو اطلاع کی گئی۔

یزید کا دربار اور بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا خطبہ

روزِ مقررہ پر اہلبیتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) دمشق میں داخل ہوئے اور ان کو مسجد جامع کے سامنے ٹھہرایا گیا۔

یزید نے شاہی تخت پر بیٹھ کر حکم دیا کہ دختران علی و فاطمہ (رضی اللہ عنہما) کو حاضر کرو،،۔

چنانچہ افسران دربار نے اہلبیت کو اس طرح رسّیوں میں جکڑا کہ حضرت عابد بیمار رضی اللہ عنہ کے گلے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کلائی پر سخت پھندا تھا۔ اور حضرت اُمِ کلثوم کا بازو بی بی زینب کے بازو سے بندھا ہوا تھا، حضرت رُقیّہ کا شانہ اُمِّ کلثوم (رضی اللہ عنہا اجمعین) سے اور چھوٹے چھوٹے بچّوں کو بڑوں کے ساتھ اس طرح باندھا تھا کہ بڑے سیدھے کھڑے ہوتے تو بچّے لٹک جاتے اور بڑے ان کی وجہ سے سر جُھکا لیتے۔ اہلِ بیت کا لباس اس قدر بوسیدہ اور خاک میں اٹا ہوا تھا کہ یزید نے کہا،، لونڈیوں کو کیوں لاتے ہو ؟ علی اور فاطمہ (رضی اللہ عنہما) کی بہو بیٹیوں کو پیش کرو،، اس پر شمر نے کہا" یہی اولادِ علی و فاطمہ ہیں (رضی اللہ عنہم)۔

یزید نے بھرے دربار میں کہا تھا "کہ خدا اس لونڈی کے بچے (مرجانہ کے بیٹے عبیداللہ ابن زیاد) کو غارت کرے جس نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا"۔

اور پھر یہ بھی کہ یزید نے یہ الفاظ بھی کہے تھے "میں میدانِ جنگ میں موجود نہ تھا، قتلِ حسین (رضی اللہ عنہ) کی ساری ذمہ داری ابنِ زیاد پر ہے"۔

"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہمارے مقابلے میں اپنے اہلبیت سے ۱۸۔ اور اپنی جماعت سے ۶۰۔ آدمی لائے تھے۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی ہم نے ان پر دھاوا کر دیا، ان کے برہنہ جسم، اُن کے کپڑے خون میں لتھڑے ہوئے، ان کے چہرے خاک میں اَٹے ہوئے ہیں۔ سورج اُن کو جھلستا ہوا گزر جاتا ہے اور وہ ایک چٹیل میدان میں پڑے ہیں"۔

یہ سُن کر یزید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا "میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل کے بغیر بھی تمہاری اطاعت سے خوش تھا۔ خدا ابنِ زیاد پر لعنت کرے، میں اگر مقابل میں ہوتا تو معاف کر دیتا"۔

"سرِ مُبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا کہ امام کی بیٹیاں فاطمہ اور سکینہ (رضی اللہ عنہما) گردنیں بُلند

کر کے سر کو دیکھنے اور رونے لگیں۔ یزید کی عورتیں اور امیر معاویہ کی بیٹیاں بھی چیخنے اور چلّانے لگیں"۔

مصنف روضۃ الاحباب لکھتا ہے کہ "جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو دیکھا تو یزید سے کہا، "تو نے اپنی عورتوں کو پردہ میں بٹھایا ہے اور دختران محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دربار میں بلایا ہے۔" اس پر اس نے پوچھا "یہ کون ہے؟" اور اس کو بتایا گیا کہ حضرت بی بی زینب بنتِ فاطمہ (رضی اللہ عنہما)۔

ایک بیان یہ ہے کہ جب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی نظر اپنے پیارے بھائی کے سر بریدہ پر پڑی تو نہایت درد بھری آواز میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

"اے حسین (رضی اللہ عنہ) اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے! اے فرزندِ مکہ و منیٰ، اے سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کے لختِ جگر! اے دوشِ رسول کے سوار۔

یہ سن کر یزید نے پوچھا "یہ کون ہے اور اُسے بتایا گیا۔ "زینب بنتِ علی (رضی اللہ عنہا)"۔ یزید نے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا "کیا حسین (رضی اللہ عنہ)

یہ نہ کہتے تھے کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرے باپ اس کے باپ سے بہتر ہیں"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے یزید سے کہا کہ

"جس کو تو نے اپنا دشمن سمجھا وہ تجھ سے بہتر تھا، میرا بھائی اور باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے بہتر تھے"۔

یزید نے کہا کہ "بے شک تیرا نانا میرے دادا سے، تیری ماں میری ماں سے بہتر تھیں، مگر یہ فیصلہ خدا کرے گا کہ میرے باپ اور تیرے باپ میں کون بہتر ہے"۔

اس کے جواب میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:-

"خُدائی فیصلہ سے پہلے دنیاوی فیصلہ ہر ہر آنکھ دیکھ رہی ہے اور دیکھ لے گی کہ کون بہتر ہے"۔

یہ جواب سُن کر یزید نے قرآن شریف کی چند آیتیں پڑھیں۔ اس پر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے قرآن شریف کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہ مت سمجھو کہ راہِ خُدا میں شہید ہونے والے مُردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں"۔

دربارِ یزید کا ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک سونے کے طشت میں دیکھ کر یزید نے کہا" اے حسین (رضی اللہ عنہ) خدا تم پر رحم فرمائے ہم نے بہت چاہا کہ تم اپنی ضد سے باز آجاؤ مگر تم نے بغاوت کی"۔

بقول بعض مؤرخین یہ کہہ کر اس کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو چھیڑا اور بقول بعض چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ:۔

"کاش آج میرے وہ بزرگ موجود ہوتے جو جنگِ بدر وغیرہ میں مارے گئے تو خوش ہو کر مجھے داد دیتے کہ ہم نے بنی ہاشم کے ایک بہت بڑے سردار کو قتل کر دیا اور بدر کے دن کا بدلہ لے لیا، پھر چھڑی کو دانتوں پر رکھ کر کہا" اسی منہ سے میری خلافت سے انکار کیا تھا"۔

دربارِ یزید میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر بعض مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ خصائصِ زینبیہ میں بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی پوری تقریر جو شامی تقریر کہلاتی ہے درج ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

دربارِ یزید میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور حضرت بی بی

زینب رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں۔

"ہر قسم کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے، جو پروردگار ہے دونوں جہانوں کا، خدا کی رحمت میرے نانا رسولوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہو۔

خداوند تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ بُرائی کرنے والوں کا انجام بُرا ہوا کیوں کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن کا مذاق اُڑایا۔

یزید جب تُو نے ہم پر زمین کو محدود، اور آسمان کے گوشوں تک کو بند کر دیا اور ہم تیرے قیدی بن گئے۔ ہم کو باندھ گھسیٹ کر تیرے پاس لایا گیا اور ہم پر تجھ کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ تُو یہ سمجھ بیٹھا کہ اللہ نے ہم کو ذلّت میں ڈال دیا اور تجھ کو خُدا نے بزرگی اور عظمت عطا کر دی۔

تُو غرور اور تکبّر میں مبتلا ہو گیا۔ اپنے پہلوؤں کو سمیٹ لیا۔ اِترا کر اپنی گندگی اور پریشانی کو پھینک دیا۔ جب کہ تُو نے دیکھا کہ دُنیا تیرے پیچھے چلی آ رہی ہے یا تُو دنیا کو ہنکائے چلا جا رہا ہے اور تیرے تمام کام درست چل رہے ہیں۔ اور جب کہ تُو نے

دیکھا کہ ہمارا ملک قبضہ میں آگیا اور حکومت کا تُو مالک ہے تو ذرا ٹھہر، ہاں ذرا ٹھہر! جہالت کے سبب طیش میں نہ آیا۔

کیا تو خداوند تعالیٰ کا ارشاد بھول گیا کہ منکرین یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں اس میں ان کی بھلائی ہے بلکہ ہم تو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ یہ گناہوں میں بڑھتے جائیں۔ آخر ان کو ذلّت کی مار ہے۔ کیوں یزید! اسے عدل و انصاف کہا جا سکتا ہے؟ کہ تُو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو پسِ پردہ رکھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو قیدی بنا کر دربدر پھرائے۔ تُو نے ان کی ہتکِ حرمت کی۔ ان کو دشمن ایک شہر سے دوسرے شہر میں لئے پھرتے ہیں اور قریب سے یا دُور سے ادنیٰ اور اعلیٰ اور سپاہی اور عوام سر اٹھا اٹھا کر بے باکی سے گھور گھور کر ان کو دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ نہ تو مردوں میں سے کوئی مددگار ہے اور نہ حمایتی۔

اے یزید! تیرا فعل خدا سے سرکشی ہے، خدا کے

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انکار ہے۔

تیری جانب سے ایسا ہونا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔ بھلا اُس شخص سے کس طرح امید کی جا سکتی ہے جس کی زبان کے نشتر نے شہداء کے قلب زخمی کئے۔ جس نے پاکیزہ لوگوں کے جگر چبائے جس نے انبیاء کے سردار سے جنگ کو قائم کیا جس نے جماعتوں کو جمع کیا، نیزوں اور بھالوں کو بلند کیا اور تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کھینچی ہوں۔

عرب میں خدا کی مُنکر جماعت میں تم لوگ سب سے زیادہ سخت ہو۔ خدا کے رسول کے مُنکر ہو اور خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کرنے والے ہو۔ اور اپنے کُفر کے سبب خُدا سے سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے ہو

یہ تمام باتیں نتیجہ ہیں کفر سے محبت کی، انتقام اور کینہ کی اس آگ کو جو بدر کے مقتولین کے لئے تمہارے سینوں میں بھڑک رہی ہے

تُو نے اے یزید! اولادِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو

بے دردی سے ذبح کر کے اور عبدالمطلب کے ستاروں کی روشنی ختم کر کے پُرانی عداوت کا بدلہ لیا ہے اور پھر اپنے بزرگوں کو یاد کر کے پُکارتا ہے، حالانکہ تجھے خبر نہیں کہ تُو بھی عنقریب اُن کے پاس پہنچنے والا ہے اور ایک دن وہ آئے گا کہ تُو آرزو کرے گا کہ کاش اس دُنیا میں میرے ہاتھ ہوتے نہ زبان۔ نہ کہ جو کچھ میں کرتا رہا نہ کرتا اور جو کچھ کہتا رہا نہ کہتا۔

جو شخص ہم کو بُری نظر سے دیکھتا ہے وہ ہم اہلبیت سے اظہارِ عداوت کرنے میں تاخیر نہیں کرتا، کینہ نکالنے میں دیر نہیں کرتا اور اپنے خیال کو پُورا کرنے میں مہلت نہیں دیتا۔ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انکار کا اظہار کرتا، اپنی زبان سے اس انکار کا واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے اور خوش ہو کر کہتا ہے کہ رسول اللہ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا اور رسول اللہ کی ذرّیت کو لونڈی بنا لیا گیا۔ اور اس اظہار کو نہ تُو گناہ خیال کرتا ہے اور نہ اس کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔

اے یزید! لوگ کہتے ہیں اپنی چھڑی کو ابوعبداللہ (یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کے ہونٹوں اور دانتوں پر نہ رکھ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسے دینے کی جگہ تھی۔ آہ! تو اپنی چھڑی سے ان ہی لب و دنداں کو چھیڑ رہا ہے اور تیرے چہرہ پر اس سے خوشی کی سُرخی دوڑ گئی ہے۔

اپنی جان کی قسم! تُو نے جنّت کے نوجوانوں کے سردار کا خُون بہا کر زخموں اور پھوڑوں کو چیر ڈالا ہے۔

ہاں عرب کے آقا عبدالمطلب کے بیٹے کا خون بہا کر تُو نے زخموں کو چُور کر دیا ہے۔

ہاں! تُو نے اپنے بوڑھوں کی آواز پر لبیک کہا۔ خونِ حسین (رضی اللہ عنہ) سے تُو نے اپنے اسلاف کے ساتھ کفر میں قربت حاصل کر لی اور اس پر ستم یہ کہ اعلانیہ تُو نے اس کا اظہار کیا۔

اپنی جان کی قسم! تُو نے حسین (اور شہدائے کربلا)، (رضی اللہ عنہم) کو پکارا، کاش وہ تیرے پاس موجود ہوتے اور عنقریب تُو اور وہ ایک جگہ جمع ہوں

گے، تو ان کے پہلو میں کھڑا رہنا پسند کرے گا جیسا کہ تیرا خیال ہے۔

تیرے ہاتھوں سے چھڑی چھین لی جائے گی۔ اور تیری ماں اس وقت (یعنی قیامت میں) یہ آرزو کرے گی کہ کاش تو اس کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہوتا اور تیرے باپ کی خواہش یہ ہو گی کہ کاش تُو اس کا بیٹا نہ ہوتا۔

ہاں اس وقت ہم لوگ تجھ کو غیظ و غضب خداوندی کی جانب لے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے جھگڑا کریں گے۔

اے اللہ! ہمارے حق کو دشمنوں سے لے لے، جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہمارا خون بہایا ہے۔ ہماری جماعت کو منتشر کیا ہے۔ ہمارے حامیوں کو قتل کیا ہے، ہماری پردہ دری کی ہے اور جو کچھ نہ کرنا چاہیئے تھا وہ سب کچھ کیا ہے۔

اور اے یزید! تُو نے ہم کو دھوکہ فریب نہیں دیا اور ہم کو نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ اپنے آپ ہی کو پہنچایا ہے۔

تُو نے ہمارا گوشت نہیں کاٹا اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔

اور ہم عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر ان مصائب کو بیان کریں گے جو تیرے ہاتھوں حضور کی اولاد نے برداشت کئے۔ اور اس بے عزتی کا اظہار کریں گے جو تُو نے ہمارے لئے جائز سمجھی اور اس خونریزی کا بتائیں گے جو اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گئی ہے۔

اور یہ اس جگہ ہو گا جہاں اولادِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اکٹھی ہو گی اور ان کے چہروں اور جسموں کی گرد کو صاف کیا جائے گا جہاں اُن پر ظلم کرنے والوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

تُو ان کے قتل پر اظہارِ مسرت میں بے خود نہ بن اور نہ ان کے قتل پر خوش ہو جو راہِ خُدا میں مارے گئے ہیں۔

ان کو ہرگز مُردہ نہ سمجھ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اللہ ان کا ولی اور حاکم کافی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے جھگڑنے کے

لئے کافی ہیں۔ جبرائیل ان کے مددگار ہیں۔
جن لوگوں نے تجھ کو سلطنت دی اور تجھ کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کیا ہے معلوم ہو جائے گا کہ کون بہتر ہے اور کون بدتر۔ کون صحیح راستہ پر تھا اور کون گمراہ۔

اے یزید! زمانہ کی کروٹ، فلک کی گردش اور مصائب کی شدت نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا لیکن میں تجھے ذلیل سمجھتی ہوں۔ اور تیری سخت گیری اور کینہ پروری کا میرے قلب پر نہایت گہرا اثر ہے اور میرے سینہ سے آہوں کا دھواں اُٹھ رہا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ رحمٰن کا لشکر شیطانی لشکر کے ہاتھوں شہید ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر ہمارا خون دشمنوں کے ہاتھوں بہہ رہا ہے۔ اور ان پاک جسموں پر بھیڑیے لوٹ پڑے ہیں۔ اگر آج ہمیں تباہ و برباد کر کے بظاہر تجھے کچھ فائدہ ہوا ہے، لیکن کل یہی تیری تباہی کا باعث ہو گا۔

اے یزید! یہ بھول کر بھی خیال نہ کیجیو کہ میں تجھ سے کوئی غرض رکھتی ہوں یا کچھ طلب کرنا چاہتی

ہوں۔ تُو نے مسلمانوں کی آنکھوں کو اس حادثہ سے گرم کر دیا ہے اور ان کے قلوب اس کے ذکر سے گرم ہو جاتے ہیں۔ وہ قلوب جنہوں نے اس حادثہ کا ارتکاب کیا یقیناً انتہا درجہ کے سخت ہیں۔ وہ لوگ انتہا درجہ کے فسادی ہیں۔ ان کے جسموں میں خدا کا غیظ و غضب اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لعنت بھری ہوئی ہے۔ ان کے جسموں میں شیطان نے گھر بنالیا ہے۔ اور تیری حالت بھی ایسی ہی ہے کہ تو ان کے قدم بہ قدم رہا اور چلا ہے۔ خوش ہے متقی لوگوں کے قتل پر۔ اور انبیاء کی اولاد کے قتل پر جو سنگدلوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، ہاں اُن لوگوں کے ہاتھوں جو فاسق و فاجر ہیں۔ جن کے ہاتھ ہمارے خُون سے آلودہ ہوئے ہیں۔ جو اپنے مُنہ میں ہمارا گوشت چُوس رہے ہیں۔

اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم بکریوں کا ریوڑ ہیں تو عنقریب ہم کو قہر و غضب کی حالت میں یا شیر کی مانند غضبناک پائے گا۔ اور یہ اس وقت ہو گا جب

تو لونڈیوں کو نہ پائے گا جو تیرے آگے پیچھے پھرتی
ہوں گی۔
اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، ہمارا بھروسہ
اللہ پر ہے۔ اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اور
وہی ہماری اُمید گاہ ہے۔
یزید! تو اپنی تدبیریں کئے جا۔ اور اپنی کوششیں
اور جدوجہد جاری رکھ۔ قسم ہے اس ذات کی جس
نے وحی کتاب، نبوت اور انتخاب کی عزت سے
ہم کو نوازا ہے۔ ہم کو زیادہ عرصہ تک اس حال میں
نہ رکھے گا، ہمارے مقاصد کو ضائع نہ کرے گا، ہمارے
ذکر کو محو نہ ہونے دے گا اور تو نے جو ہماری
بے حرمتی کی ہے، ہم پر عیب لگائے ہیں اُن سے
ہم کو پاک و صاف کرے گا۔
یزید! تیرا مکر و فریب، دغا اور جھوٹ اور تیری
شوکت و اقتدار کب تک ہے؟ چند روز۔
اور تیری مملکت ایک تباہ ہونے والی چیز ہے۔
ہر قسم کی تعریف اُسی اللہ کو زیبا ہے جس نے
اپنے دوستوں کو نیک بختی کا حکم دیا ہے۔ اپنے

مخلصوں پر مقاصد کی تکمیل کو ختم کر دیا اور اپنے

دوستوں کو رحمت، آسائش اور بخشش کے مقام

پر لے گیا۔

تیرے سوا کسی نے ان کو مصیبت و مشقت میں

نہیں ڈالا۔ اور ہم خدا سے یہ درخواست کرتے

ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کے اجر کو کامل کر دے

بہترین بدلہ اُن کو عطا فرمائے۔ اُن کے لئے

آخرت میں ذخیرہ جمع رکھے اور درخواست کرتے

ہیں بہترین خلافت اور برتر نیابت کی۔

بلاشبہ وہ رحیم ہے اور دوست رکھنے والا ہے"۔

●

یزید کا دربار شامیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سُونگھ گیا ہے۔ ہر شخص بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا جس طرح پتھر کی مورتیں! اُن کی زبانیں گنگ تھیں، ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ اُن کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب شیرِ خدا کی بیٹی نقاہت

اور کمزوری کی حالت میں بھوکی، پیاسی تھکی ماندی ہزاروں کے مجمع میں شیر کی طرح دھاڑ رہی اور رعیت کے سامنے ان کے امیر کو للکار رہی تھیں۔ خود یزید دانت پیس پیس لیتا۔ ہونٹ چباتا اور تاؤ پیچ کھا رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔

سیّدہ کی بیٹی کی تقریر روانی کا ایک چشمہ تھا کہ اُبلا چلا آرہا اور فصاحت کا ایک دریا تھا کہ بہے چلا جا رہا تھا۔

دمشق میں قیام

یزید نے اہلِ بیت کے ساتھ اخلاق اور نرمی کا سلوک کیا اور حادثۂ کربلا کا ذمہ دار عبیداللہ ابنِ زیاد کو قرار دیا۔ آخر اُس نے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی خواہش پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک اُن کے سپُرد کر کے کہا "تم کو اختیار ہے یہیں رہو چاہے مکّہ یا مدینہ جہاں پسند کرو تم لوگ چلے جاؤ"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا "یزید! ہم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جُدا کر دیا گیا اور ابنِ زیاد

نے ہمیں اتنی مہلت بھی نہ دی کہ ہم اس کی جُدائی پر آنسو بہا سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بھائی کا سر مُبارک لے کر چلے جائیں اور نانا جان کے مزار مبارک پر حاضر ہوں"۔

یزید نے یہ سُن کر حکم دیا کہ محلات میں سے ایک محل خالی کر دیا جائے اور اہلبیت کو اس میں ٹھہرایا جائے"۔ چنانچہ اُن کو ایک شاہی محل پہنچا دیا گیا۔ جہاں دمشق کی قریشی عورتوں نے حاضر ہو کر اہلبیت نبوی کی ہمدردی میں حصّہ لیا۔ ایک دن حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے اُن سے اس طرح خطاب کیا:۔

"اے خواتینِ شام! دیکھو اس سخت دل قوم نے اہلبیت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا سلوک کیا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کربلا میں ہم پر کیا قیامت ٹوٹی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کو جو بھوکے پیاسے تھے شہید کر دیا گیا، بیواؤں یتیموں کو کوفہ کے بازاروں میں رُسوا کیا گیا"۔

•

اہلِ بیت کا قیام دمشق میں صرف ایک ہفتہ رہا۔

دمشق سے واپسی

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور لٹی ہوئی سیدانیوں کے قافلہ کی روانگی کا انتظام یزید نے نعمان بشیر کے سپرد کیا تھا۔ وہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ کی تقریر سے متاثر ہو چکے تھے۔ اور اب ان کو اہلِ بیت کے ساتھ دل سے ہمدردی تھی۔ انہوں نے اُونٹوں پر محمل رکھوا کر ان سے کو راحت و آرام کے سامان سے آراستہ کیا۔ اور تیس سوار اپنے ساتھ لئے۔ نمازِ فجر کے بعد جب یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا "محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کے غم میں ہیں۔"

جب سیاہ چادریں ڈالی جا رہی تھیں تو یزید اس وقت وہاں موجود تھا۔ جب قافلہ مدینہ جانے لگا تو یزید نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہا "خدا کی پھٹکار ہو مرجانہ کے بیٹے (عبیداللہ ابنِ زیاد) پر۔ خدا کی قسم اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میرے قبضہ میں ہوتے تو جو کچھ مجھ سے طلب

کرتے ان کو دیتا۔"

اُس وقت حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ایک قصائی بھیڑوں کو پانی پلا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بے تاب ہو گئیں اور یزید سے کہا" دیکھ قصائی بھی بھیڑوں کو پانی پلانے کے بعد ذبح کرتا ہے۔ میرے بھائی کو اتنا بھی نہ سمجھا گیا۔"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے لئے دمشق کے مشہور گھرانوں کی بیبیاں کئی ہزار کی تعداد میں آئی تھیں۔ اور جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

نعمان بن بشیر نے تھوڑی دُور آگے جاکر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ" جہاں جی چاہے چلئے اور جب جی چاہے ٹھہر جائیے، میں آپ کے حکم کو بہ جان و دل انجام دینا اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ خاموش تھے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا" سیدھے کربلا چلو۔" راستے میں جس منزل پر قیام ہوتا اس سے کافی فاصلہ پر نعمان بن بشیر اور ان کے سوار ٹھہر جاتے اور ضرورت

کی چیزیں فراہم کر کے بھیج دیتے۔

جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مدفن سے لپٹ کر کہا، "اے بھائی، اے میری ماں کے بیٹے، اے ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کس زبان سے میں تم سے وہ مصائب بیان کروں جن کا ہم کو کوفہ اور شام میں سامنا کرنا پڑا۔ اس قوم نے ہم کو کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں، کس طرح بیان کروں"۔

مشہور صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بنی ہاشم میں سے چند مقتدر لوگ اُس وقت وہاں موجود تھے۔ اور یہ سب ایک دوسرے سے ملے اور حادثۂ عظیم پر آنسو بہائے۔ کربلا ٹھہر کر یہ قافلہ مدینہ کے لئے روانہ ہوا اور نعمان بن بشیر نے کوشش کی کہ اہلِ بیت کو راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

مدینہ میں

نمازِ ظہر کے وقت جب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو اُنہوں نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے:۔

"اے ہمارے نانا جان کے شہر! کیا تُو ہمارا استقبال نہیں کرے گا؟

ہم بڑی بڑی حسرتیں اور غم والم اپنے سینوں میں لئے آئے ہیں"۔

•

مسلمانوں نے ان کے قدموں میں آنسوؤں کے موتی نچھاور کئے۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا دل بھر آیا۔ شہدائے کربلا کی صورتیں آنکھوں میں پھر رہی تھیں اور جو شدید مصائب اور تکالیف کربلا کے سفر میں برداشت کی تھیں، اُن کے تصور نے جسم میں رعشہ پیدا کر دیا تھا۔ سیدھی سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزار مبارک پر پہنچیں۔ اس وقت دل کی جو حالت ہوئی ہوگی الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ بین فریاد، نالہ و شیون زبان سے کچھ نہیں کہا مگر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اور دل جو کچھ عرض کر رہا ہو گا اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔

"نانا جان! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی نواسی، آپ کے جگر کا گوشہ، آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کا نُور اور آپ کے دل کا سرور، آپ کی زینب وہ زینب

جسے آپ گود میں لیتے اور پیار کرتے تھے۔ اپنے پیارے بھائیوں، اپنے عزیز بھتیجوں اور اپنے چاند سے بیٹوں کو دینِ مستقیم اور اسلام کی بقاء کی خاطر قربان کر کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئی ہے۔ ہائے کیسی سنگدلی اور بے دردی سے سفاکوں نے ان پر تیر برسائے اور تلواریں چلائی ہیں۔ اُن کا قصور بس یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کا انہدام منظور اور اس شخص کی بیعت قبول نہ کی۔ جس کی دادی نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، جس کا دادا منافق تھا۔ جس کے باپ نے میرے باپ کی طرح طرح سے پریشان کیا اور ان پر تہمتیں رکھیں اور الزامات اٹھائے تھے۔

نانا جان! آپ کے آگے جبرائیل جیسے فرشتے کا سر جُھکتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کی اولاد، آپ کے اہلبیت اصول اسلام کے خلاف مطالبہ پر سر تسلیم خم کر سکتے۔ بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانیں دینی منظور کیں مگر یہ منظور نہ کیا کہ ان کی وجہ سے اسلام کو نقصان پہنچے۔ اور آپ کے ناموس پر حرف آئے۔ ہم لوگ گنتی میں بہت تھوڑے تھے اور وہ لوگ بہت زیادہ مگر اس پر بھی انہوں نے جبر و زیادتی، ظلم و ستم کی انتہا کر دی جس

دریا سے درند اور پرند سیراب ہو رہے تھے اس پر پہرہ لگا دیا گیا اور آپ کے پیاروں کے حلق خشک ہو گئے۔

ہم نے فساد مٹانے کو راستہ طلب کیا تو انہوں نے راستہ بند کر دیا۔ کوفیوں نے ہمیں خط پر خط لکھ کر بہت اصرار سے بلایا تھا مگر وہ بے وفا نکلے۔ بھائی مسلم رضی اللہ عنہ کو جو اُن کے مہمان تھے قتل کر دیا۔ ہمیں واقعات معلوم ہوئے تو کوفہ جانے کی بجائے ہم آگے بڑھ گئے۔ مگر کربلا میں ابنِ زیاد کی فوج نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ لیکن آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے والوں نے ایک قدم پیچھے نہ ہٹایا اور آپ کے دین کے لئے آپ ہی کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں ۱۰ محرم کو اپنے سر کٹوا دیئے۔

جس جسم کو آپ کلیجہ سے چمٹاتے تھے، سر الگ کرنے کے بعد اس کی بے حرمتی کی گئی اور جن گالوں پر آپ نے لب ہائے مبارک رکھے تھے اُن کے گوشوارے گھسیٹ کر لہولہان کیا گیا۔ آپ نے حاتم طائی کی بیٹی کو چادر اُوڑھائی تھی مگر آپ کی نواسیاں پھٹے کپڑوں، کھلے چہروں، رسیوں سے بندھی ہزاروں آدمیوں کا تماشا بنیں"۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزار مبارک پر قربان ہو رہی تھیں کہ غش آ گیا۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو ماں کے مزار پر حاضر ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر تھی، ان کے سر پر قیامت ٹوٹی تھی۔ اُن کے دل کی بستی تباہ و تاراج کی گئی تھی۔

نانا اور ماں کے مزاروں پر حاضر ہو کر مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا، بین کرنا فطرت انسانی کے خلاف کوئی چیز نہ ہوتی مگر تسلیم و رضا کے مجسّمے اور صبر و ضبط کی پُتلی کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو اس کی تعلیم کے خلاف ہوتا۔ جس کی تلقین اُن کے نانا کا پاک مذہب کر رہا ہے۔ حسرت اور بے کسی کی نظروں سے ماں کے مزار کو دیکھتی رہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"امّاں! مدینہ سے بھرے ہاتھ گئی تھی اور خالی ہاتھ آئی ہوں۔ نانا جان کی اُمّت نے اسلام کے نام پر حضرت امام حسین اور عون و محمد (رضی اللہ عنہم) کو مجھ سے چھین لیا۔ ہر روز طلوع و غروب ہونے والا آفتاب گواہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد زینب (رضی اللہ عنہا) کو جان سے زیادہ عزیز رہی۔ اس نے ہر قسم کی تکلیف برداشت کی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ

بھائیوں پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے یا کسی فکر سے پریشان ہوں۔

مگر کیا خبر تھی کہ زینب (رضی اللہ عنہا) دیکھتی رہ جائے گی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے آپ کا پیارا حسین (رضی اللہ عنہ) ذبح کر دیا جائے گا۔

امّاں! آپ نے فاقے کر کے اور ہم کو بھوکا سُلا کر سائلوں کے پیٹ بھرے۔ آپ جانوروں کی پیاس پر تڑپ تڑپ اُٹھتیں مگر آپ کے پیارے حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کے حلق میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا۔

امّاں! قصائی بھی بھیڑ بکریوں کو اس طرح حلال نہیں کرتے جس طرح حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھی قتل کئے گئے۔ امّاں! آپ نے ننگوں کو کپڑے پہنائے اور ان کے بدن ڈھانکے مگر زینب اور اُمّ کلثوم (رضی اللہ عنہما) ہزاروں مسلمانوں کے سامنے اس طرح لائی گئیں کہ اُن کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔

امّاں! کسی مسلمان کو مصیبت میں دیکھ کر آپ کا کلیجہ کٹ جاتا تھا اور آپ کے پاس جو کچھ ہوتا خود تکلیف اُٹھا کر اُس کی مدد کے لئے صرف کر دیتیں۔ مگر آپ کے کلیجہ کے ٹکڑوں کو ایسی زدہ حالت میں دیکھ کر کسی کے کلیجہ پر گھونسے نہ لگے۔ کوئی

نہ تڑپا، کوئی نہ بلبلایا۔ اور کسی نے بھی خیال نہ کیا کہ یہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد ہے جس کے گھر میں وحی آئی تھی اور جس کی تعظیم اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کرتا تھا۔

امّاں! آپ کا سرسبز و شاداب لہلہاتا اور ہرا بھرا باغ اُجڑ گیا۔ چند پھول اور ننھی ننھی کلیاں زینب (رضی اللہ عنہا) ہی کا دل جانتا ہے کس مصیبت سے بچا کر لائی ہے۔ خدا ان کی عمر دراز کرے اور مسلمان شہادت حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے اسلام کے معنی سمجھیں"۔

ماں کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا گھر آئیں۔ فاطمہ صغریٰ (رضی اللہ عنہا) کو گلے لگا کر جنہیں بیماری کی وجہ سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں چھوڑ گئے تھے، دیر تک روتی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کی باقی اولاد اور خاندان کے تمام لوگوں سے ملیں۔ اور خاندان کے ہر فرد نے جو کربلا کے معرکہ میں شریک نہ ہو سکا تھا حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) کو جو، اب خاندان میں بڑی تھیں، اس صدمہ جانقاہ میں تسکین دی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی زباں سے کوئی لفظ ایسا نہ نکلا جس سے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو ملال

ہوتا۔ بچّوں کی شہادت سے جو انہیں صدمہ ہوا اس پر انہوں نے بھی صبر کیا بلکہ ایک غلام سے جو تعزیت کے لئے آیا تھا، زینب کبریٰ جعفر الفندی میں ہے کہا تھا کہ:

"اگر میں اُن کے ساتھ ہوتا تو جب تک نہ مر جاتا علیٰحدہ نہ ہوتا۔ بچّے خدا کی امانت تھے اس نے واپس لے لئے"۔

اُس ہاتھ دے اِس ہاتھ لے

کربلا سے پہلے کے حالات سمجھنے، کربلا کے واقعات پڑھنے اور شہادتِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مدینہ کی واپسی تک حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور دوسرے اہلِ بیت پر جو کچھ گزری یہ معلوم ہونے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ اور دمشق میں جو کچھ فرمایا تھا وہ کس حد تک پورا ہوا اور نخلِ زہرا (رضی اللہ عنہا) کو تاراج کرنے والے سکھ چین سے رہے یا مضطرب اور بے چین اور خاتمہ بالخیر ہوا یا عبرتناک۔

اب تک جو کچھ ہو رہا ہے دُنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور اُس زمانہ میں کیا ہوا تھا، تاریخ کے صفحات پر

یہ داستان بھی موجود ہے۔

یزید

واقعۂ کربلا کے بعد یزید کو اطمینانِ قلب میسّر نہ آیا۔ اُس کا دن عید ہوتا اور رات شب برات، شادمانی کے جلسے ہوتے، عیش وطرب کی محفلیں ہوتیں، جشن مَنتے اور مسرت کے شادیانے بجتے۔

مگر حضرت زینب بنتِ علی رضی اللہ عنہما کے الفاظ اس کے دل میں چٹکیاں لیتے رہے۔ سوتے میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا اور دیر تک ٹہلتا رہتا تھا۔ تین سال آٹھ ماہ کی حکومت کے بعد ۶۴ھ میں جب اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی اور اُس وقت وہ حمص میں تھا کہ دردِ قولنج اٹھا۔ اور اس غضب کا کہ تین دن تک تڑپتا رہا۔ اور یکم ربیع الثانی کو وفات پائی۔

یزید کی ساڑھے تین سال کی حکومت میں پہلے سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے۔ دوسرے سال مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی۔ تیسرے سال خانہ کعبہ کی بے حُرمتی کی گئی۔ مکہ کا محاصرہ یزید کی موت تک جاری رہا اور کعبہ کی آگ یزید کی موت کے ۴۰ دن بعد تک رہی۔

یزید کی قبر

جب حکومت بنو اُمیّہ سے عباسیوں میں پہنچی تو ابوالعباس نے شاہانِ بنو اُمیّہ کی قبریں کھودیں، اور ہڈیاں نکال کر جلائی گئیں۔ انتقال کے وقت یزحوارین میں تھا اور وہیں اس کی قبر ہے اور ابوبکر بن حنظلہ کے مرثیہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

مُختار کا دور

سنہ ۶۶ھ میں جب کوفہ کا حاکم ابنِ زیاد کی جگہ ایک معمولی شخص مختار بن ابی عبیدہ ثقفی ہوا جو طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھا۔ تو اس کا یہ حکم کوفہ کے درو دیوار میں گونجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو شہید کرنے والوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

یہ اعلان دوپہر کو ہوا اور دوسرے دن علی الصّبح عبیداللہ بن زیاد کی فوج کے بہت سے آدمی مختار کے سامنے پیش کئے گئے۔ اُن لوگوں نے کہا "ہم ابنِ زیاد کے حکم سے مجبور تھے۔ ورنہ ہماری مجال نہ تھی کہ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہاتھ اُٹھاتے۔"

مختار نے کہا "ہاں تمہاری مجبوری ابنِ زیاد کے حکم سے تھی۔ مگر کیا کروں میری مجبوری خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کے حکم سے ہے۔" یہ کہہ کر مختار نے جلاد کو حکم دیا جس نے سسکا سسکا کر ایک ایک کو قتل کر دیا۔ کربلا میں ابنِ زیاد کی مدد کرنے والوں میں سے ڈھائی سو آدمیوں کو مختار نے قتل کیا تھا۔

عمر و سعد بن ابی وقاص

اور بڑے بڑے افسر جنگلوں میں، پہاڑوں میں اور دوسرے شہروں میں جا چھپے تھے۔ مگر مختار کے آدمی سب کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ مختار نے عمرو سعد کے لئے ابو عمرہ کو بھیجا۔ عمرو سعد چلتے ہوئے اپنے جُبّہ میں اٹک کر گرا۔ ابو عمرہ نے اسے قتل کیا اور سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا۔

شِمر

شِمر کے قتل کے متعلق ایک بیان یہ ہے کہ اُسے دیکھ کر غصّہ سے مختار کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ وہ کھڑا ہو گیا اور شمر سے کہا۔

"جس ہاتھ سے خنجر پھیرا تھا وہ ہاتھ اُٹھا۔" شِمر نے درخواست کی "میں پیاسا ہوں تھوڑا سا پانی پلوا دو۔" مختار نے کہا "کیوں، ناہنجار وہ وقت یاد ہے؟ جب نہر فرات پر تیری فوج نے قبضہ کیا اور اہلبیت پر پانی بند رکھا۔ یہ کہہ کر اشارہ کیا اور شمر کو قتل کر دیا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ "شمر مختلف گاؤوں سے بھاگتا ہوا پہاڑی کے قریب گر گیا، اس کے ساتھی بھاگ گئے، وہ ایک چادر اوڑھ کر کھڑا ہو گیا، اس کو برص کا مرض تھا، وہ نیزے چلا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن کرز نے اور بعض کی تحقیق ہے کہ مختار کے کوتوال ابو عمرہ نے اُسے قتل کیا اور لاش کو کُتّوں کے لئے پھینک دیا۔"

بعض مؤرخین لکھ رہے ہیں کہ عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن کے سر مختار نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج دیئے تھے۔

حرملہ بن کاہل

مختار کے دربار میں حرملہ بن کاہل کو بلایا گیا تو مختار نے اس کی طرف دیکھا اور حکم دیا کہ "معصوم اصغر کا حلق چھیدنے والے نابکار کے گلے پر تیر چلاؤ"۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور آگ منگوا کر پھولنس میں رکھ کر جلوا دیا۔ پھر مالک بن بشیر کو لایا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر چھوڑ دیا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

سنان بن انس

بصرہ بھاگ گیا۔ وہاں سے قادسیہ گیا۔ قادسیہ اور عذیب کے درمیان گرفتار کیا گیا۔ اس کی

انگلیاں پھر ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ دیگ میں روغنِ زیتون جوش دے کر اس کو جیتا جاگتا ڈال دیا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ "اُس کی آنکھ میں ابراہیم بن مالک نے خنجر گھُسایا، کان چیرے، ہاتھ کاٹے اور آگ میں ڈال دیا۔ اور اس کا سر مختار کے پاس بھیج دیا۔

عبیداللہ ابنِ زیاد

کے لئے ابراہیم بن مالک اشتر کو فوج دے کر مختار نے روانہ کیا۔ لڑائی ہوئی۔ ابراہیم نے ابنِ زیاد کو زیر کیا اور اس کی مشکیں باندھ لیں۔ ہر شخص اس کے مُنہ پر طمانچے مارتا تھا۔ گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیر پہنا کر جلتی آگ میں اُسے ڈال دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ میں ڈالنے سے پہلے اس کا گوشت کاٹا گیا۔ ایک ایک عضو علیٰحدہ کیا گیا پھر سر اور بدن پر گھوڑے دوڑائے گئے اور سر مختار کے پاس بھیج دیا گیا۔

مصری مؤرخ محی الدین خیاط لکھ رہا ہے کہ "مختار کے حکم سے ابنِ زیاد کی لاش جلا دی گئی تھی"۔ کامل بن اثیر لکھتا ہے کہ "مختار نے ابن زیاد کا سر اس کے دوسرے رفقاء کے سروں کے ساتھ قصر میں ڈال دیا۔ ایک پتلا سانپ آیا جو سروں کے چاروں

طرف پھرا اور پھر ابنِ زیاد کے مُنہ میں داخل ہو کر ناک کے نتھنے سے اور ناک میں داخل ہو کر مُنہ سے نکلا اور کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں بیان کیا ہے؛ یہ روایت عمّارہ بن عمیر سے ہے۔ علامہ عینی نے اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

ابنِ زیاد کا قتل ٹھیک چھ سال بعد ۱۰ محرم ۶۶ھ مطابق ۶۸۶ء کو ہوا مختار نے اس کا سر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا اور انہوں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ یہ آپ کے باپ کے قاتل کا سر ہے۔

عبدالملک بن عمر لیثی سے روایت ہے کہ "میں نے دارالامارہ کوفہ میں جس جگہ سنہ ۶۱ھ میں عبیداللہ بن زیاد کے سامنے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رکھا دیکھا تھا اسی جگہ عبیداللہ بن زیاد کا سر سنہ ۶۷ھ میں مختار کے سامنے اور پھر مختار کا سر معصب بن زبیر کے سامنے دیکھا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ معصب کا سر اسی جگہ سنہ ۷۱ھ میں عبدالملک بن مروان کے آگے دیکھا۔ عبدالملک نے جب یہ سُنا تو کہا "خدا یہ پانچواں سر نہ دکھائے۔ اور پھر اس خوف سے دارالامارہ کو جڑ سے کھدوا ڈالا۔

ساتواں باب

آخری ایّامِ زندگی

اور

مشاغل

آخری ایّامِ زندگی

مشاغل

سنہ ۶۰ھ میں جب حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکّہ اور پھر کربلا گئیں۔ اس وقت اور سنہ ۶۱ھ میں جب وہ دمشق سے مدینہ واپس آئیں اُس وقت کی حالت میں باعتبارِ صحت نمایاں فرق تھا۔ بڑھاپے کے آثار تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی سے نمودار ہو چکے تھے۔ مگر چوں کہ اعضاء مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ غیر معمولی تھا۔ اور بچپن سے جفاکش اور محنتی تھیں۔ اس لئے بچپن چھپن سال کی عمر میں بھی کبھی خالی نہ بیٹھتیں اور کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتی تھیں۔ مگر اب اُن کے اعصاب کمزور اور اعضاء تھک چکے تھے اور دل پر ایسی سخت چوٹ لگی تھی کہ اکثر خاموش بیٹھی یا ٹہلتی یا کچھ سوچتی رہتی

تھیں۔

عبادت اور ریاضت گھٹی میں پڑی تھی۔ وقت کا ایک حصّہ نماز و وظائف اور تلاوتِ کلام پاک میں گزرتا۔ بعد نمازِ ظہر اب بھی کلام اللہ کی تفسیر بیان فرماتیں اور مسلم خواتین کو اسلام کے سمجھنے اور خدا اور خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے کی تلقین فرماتیں۔

وہ ایک دولت مند تاجر کی بیوی تھیں۔ آسائش کے کسی سامان اور ضرورت کی کسی چیز کی محتاج نہ تھیں۔ ملازم بھی تھے اور خدمت گار بھی لیکن گھر کے کاموں میں اس زمانہ میں بھی خود حصہ لیتی تھیں۔ اگرچہ اب گھر کے کام دیکھ بھال کی حد تک محدود تھے۔

بڑھاپے میں بھی شوہر کے کام انہوں نے اپنے ہاتھ سے انجام دیئے۔ ان کے وقت کا کچھ حصّہ محلّہ اور خاندان کے بچّوں اور بچیّوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں صرف ہوتا تھا۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے اُن کو غیر معمولی محبت تھی۔ اُن کی تربیت و دلجوئی میں کافی وقت صرف کرتی تھیں۔ حضرت امام زین العابدین نے جو خصوصیات حاصل کیں وہ سب پھوپھی ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھیں۔

وفات

جس طرح حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی صحیح تاریخ کا انتہائی تلاش کے باوجود پتہ نہ چل سکا، اسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی وفات کا واقعہ اور سالِ رحلت کیا ہے۔

۲۱ جمادی الثانی کو ہند میں آگرہ لکھنؤ وغیرہ میں اور پاکستان میں کراچی وغیرہ میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی برسی منائی جاتی ہے۔ اور اس تاریخ کو زنانہ مجلسیں وغیرہ ہوتی ہیں اور حیدرآباد دکن میں ۲۴ صفر کو۔

مزارِ مبارک

مستند مؤرخین کے مطابق حضرت عون و محمد کی والدہ ماجدہ اور حضرت جعفر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزارِ مبارک

مدینہ منوّرہ میں نہیں ہے۔ مدینہ کے قبرستان جنّت البقیع میں جن اُمّ کلثوم زینب رضی اللہ عنہا کا مزار ہے، اُن کا نام رقیّہ تھا۔ وہ بی بی زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ اور حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے تھے۔

جہاں تک بی بی زینبِ کبریٰ کے مزارِ اقدس کے اصل مقام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مستند تاریخی شواہد موجود ہیں۔ ابنِ جبیر کی تحقیق کے مطابق حضرت اُمّ کلثوم زینبِ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزار شریف دمشق (شام) کے قریب ایک قصبہ زینبیہ میں ہے۔

ایک اور مؤرخ سید جعفر کا بیان ہے کہ دمشق کے باہر ایک مقام زینبیہ کہلاتا ہے۔ وہاں جو مزار شریف ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی، حضرت بی بی زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

اسی طرح کامل التواریخ میں طبری لکھتا ہے کہ مدینہ منورہ میں طاعون پھیل جانے یا قحط کے باعث حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا اور اس سفر میں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا ان کے ہمراہ تھیں۔ دمشق کے قریب

بیماری کے باعث آپ کا انتقال ہوا۔ اور آپ کی تدفین اسی مقام پر کی گئی جو زینبیہ کہلاتا ہے۔ اس امر کی تائید ممتاز عالم و مؤرخ علامہ شہرستانی نے بھی کی ہے اور وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک شام میں ہے۔

روضۂ زینب کبری رضی اللہ عنہا دمشق سے چار میل کے فاصلہ پر واقع زینبیہ قصبہ میں ہے۔ روضہ کا صحن وسیع اور سنگِ مرمر سے مزّین ہے۔ صحن میں ایک چھوٹا سا مربع حوض ہے۔ اس کے شمالی کنارے پر زائرین کے رہنے کے حجرے ہیں۔ جنوب کی طرف روضہ شریف کی عمارت ہے، برآمدہ سفید پتّھر کا ہے۔ اندر روضہ کا کمرہ چھوٹا مگر عالیشان ہے۔ دروازہ پر چاندی کا کام ہوا ہے۔ کمرہ کا جنوبی حصہ سیاہ رنگ کے پردہ سے علیحدہ کیا گیا ہے، جو زنانہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

مزار شریف کے داخلی دروازہ پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔

"سیدہ زینب کبریٰ بنت سیدنا علی مرتضیٰ"

(رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

سلام

السّلامُ علیک یا بنتِ رسُول اللہ۔

سلام ہو آپ پر اے رسول اللہ کی بیٹی۔

سلام ہو آپ پر اے نبی اللہ کی بیٹی۔

سلام ہو آپ پر اے محمد مصطفٰے کی بیٹی۔

سلام ہو آپ پر اے انبیاء اور مرسلین کے سردار کی بیٹی۔

سلام ہو آپ پر اے ولی اللہ کی بیٹی۔

سلام ہو آپ پر اے علی مرتضٰی کی بیٹی جو اوصیا اور صدیقین کے سردار ہیں۔

سلام ہو آپ پر اے بیٹی فاطمۃ الزہرا کی جو تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔

سلام ہو آپ پر اے حسن و حسین کی بہن جو تمام نوجوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔

سلام ہو آپ پر اے پاک سیّدہ۔

سلام ہو آپ پر اے خدا کی طرف بہترین دعوت کرنے والی۔

سلام ہو آپ پر اے پرہیزگار و پاک خاتون۔

سلام ہو آپ پر اے وہ بی بی جو خدا سے خوش رہیں اور جن سے خُدا خوش ہے۔

سلام ہو آپ پر اے عالمہ جن کو خدا کے سوا کسی نے تعلیم نہیں دی۔

سلام ہو آپ پر اے فہمیہ جن کو خدا کے سوا اور کسی نے فہم نہیں بخشا۔

سلام ہو آپ پر اے مظلومہ اے مغمومہ۔

سلام ہو آپ پر اے وہ جو مبتلائے رنج و غم رہیں۔

سلام ہو آپ پر اے وہ جو قید کی گئیں۔

سلام ہو آپ پر اے صدیقہ صغریٰ، اے زینب کبریٰ، اے عصمت صغریٰ۔

سلام ہو آپ پر اے وہ جنہوں نے عظیم مصائب اٹھائے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صابرہ شاکرہ، معظمہ، مکرمہ، صاحبِ عصمت و وقار ثابت ہوئیں۔ جمیع حالات، انقلابات، مصائب، بلاؤں اور امتحانوں میں خصوصاً اس سخت ترین، تلخ ترین موقع پر جب آپ کے بھائی پیاسے اور تلوار اور

نیزوں کے زخموں سے چور چور گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اور شمر آپ کے سینۂ مبارک پر بیٹھا ہوا تھا۔

افسوس آپ کے بھائی پر اے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی! اے خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) کی بیٹی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) اور فاطمۃ الزہرا، اور حسن وحسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی خیر خواہی کی۔ اور ان کی مدد فرمائی۔

اپنے دل سے اور اپنی زبان سے خدا کی راہ میں جہاد فرمایا۔ اپنی زبان سے جیسا کہ جہاد کرنا چاہیئے تھا۔

آپ حسین (رضی اللہ عنہ) کی کیا اچھی بہن ثابت ہوئیں اور ابو عبداللہ الحسین (رضی اللہ عنہ) آپ کے کیا اچھے بھائی ہیں۔

خدا کی صلوٰۃ وسلام آپ دونوں پر۔ اور اس شخص پر ہو جس نے آپ دونوں کو دوست رکھا اور مدد کی۔

اور خدا کی لعنت ہو اُس قوم پر جس نے آپ کی چادر چھینی اور بھالوں سے آپ کے اعضاء پر مارا اور آپ کے خیمے جلائے اور آپ کے عیال کو قید کیا۔ یا ان سب واقعات کو سُن کر افسوس وملال نہ کیا بلکہ اُن پر راضی اور خوش ہوئے۔

اے میری سیّدہ۔ میری مولا۔ میں آپ کے بھائی حسین (رضی اللہ عنہ) کا اور آپ کا زائر ہوں۔ پس آپ سب شفاعت فرمائیں میری، میرے آباواجداد کی، میری ماؤں کی۔

میں خدا سے دُعا کرتا ہوں، آپ کے حق کا، آپ کے نانا، آپ کے والد ماجد امیرالمومنین رضی اللہ عنہ، آپ کی والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھائیوں حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) کے حقوق کا واسطہ دے کر۔ میرا سلام ہو آپ سب پر۔ اے اہلِ بیت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے پاس ملائکہ آتے جاتے تھے۔ جن کے گھروں میں وحی آتی تھی اور قرآن نازل ہوتا تھا اور خدا کی رحمت اور برکات آپ پر نازل ہوں۔